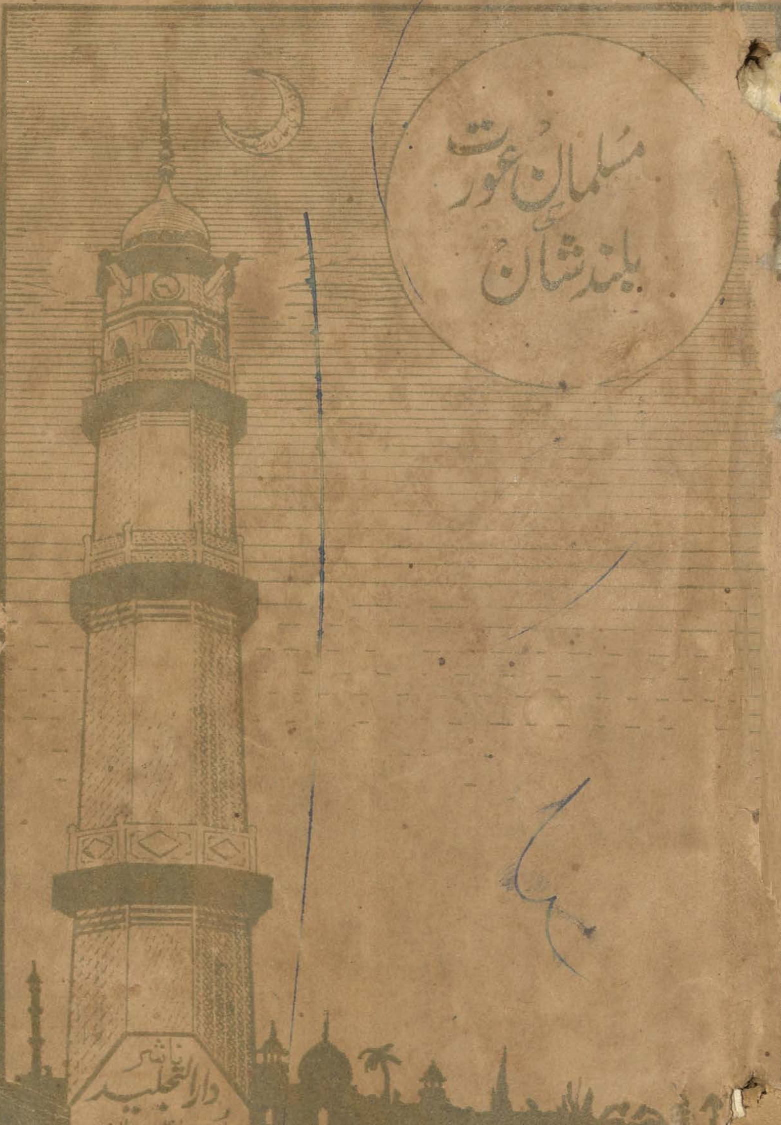
مسلمان عورت کی بلند شان



مسلمان عورت کی بلند شان



★

سید محمد سعید سلیم "دار التجلید"
اردو بازار لاہور

یہ وہ تقریر ھے

جو

مولینا عبدالرحیم صاحب درد ایم-اے

سابق امام مسجد لندن نے جلسہ سالانہ

۱۹۴۹ء پر ۲۶ دسمبر کو

بمقام ربوہ فرمائی

ناشر

سید محمد سعید سلیم

❋ دار التجلید ❋

اردو بازار - لاہور



عبدالرحیم درد ایم۔اے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

اسلام نے
عورت پر کیا پابندیاں لگائی ہیں
اور کیوں؟

اہلِ یورپ کے اعتراضات کا ردّ

میرے مضمون کے عنوان کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے عورت پر کچھ پابندیاں لگائی ہیں۔ اور یہ کہ یورپین لوگ ان پابندیوں پر کچھ اعتراض کرتے ہیں اور یہ کہ ایسے اعتراضوں کا جواب کیا ہے۔ اس لئے مجھے پہلے وہ پابندیاں بیان کرنا چاہیئے جو اسلام نے عورت پر لگائی ہیں۔

پھر اہلِ مغرب کے اعتراضات کو لے کر اُن کا جواب دینے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ میں ایسا کروں چند اور باتیں بہ نہایت مختصر رنگ میں کہنا چاہتا ہوں جو اس مضمون کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالتی ہیں۔

انسانی زندگی میں مرد عورت کا تعلق اتنا قریب کا گہرا اور وسیع ہے۔ کہ کوئی شخص اس سے ناواقف نہیں ہوسکتا۔ ہر ایک کی بیوی، ماں، بہن، بہو، بیٹی، پھوپھی، چچی، خالہ سب عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اس لئے جس بات کا اثر ان سب پر پڑتا ہو وہ یقیناً اس کے لئے اور اس کے خاندان کے لئے نہایت اہم ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ جس قوم کے مردوں یا اسکی عورتوں پر ناجائز پابندیاں لگا دی جائیں یا اُن کو ناجائز حد تک آزادی اور ڈھیل دی جائے تو وہ قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ بلکہ یہ کہنا بھی درست ہے کہ عورتوں کی سماجی حیثیت قوم کا آئینہ ہوتی ہے۔ اور کسی قوم کی حالت اُس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان کی عورتوں کی حالت ٹھیک نہ ہو۔ لیکن پاکستان کے لئے یہ سوال اس سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ ہمارا ملک غیر معمولی حالات میں ابھی ابھی معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی بچّہ یا پودے کو شروع میں ہی اگر کوئی بیماری لگ جائے تو اس کے لئے بہت زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ یہی حال قوموں اور ملکوں کا ہے۔ پاکستان کا آئین بننے کو ہے۔ اقلیتوں کے حقوق اور اُن کا تحفّظ، عورتوں کا ووٹ، اُن کے الگ انتخابی حلقے اور مجلس

آئین ساز ہیں مخلوط نشست وغیرہ اہم مسائل زیر غور ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ہر قسم کے قوانین پر حصولِ آزادی کی روشنی میں نظر ثانی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ایک طرف شریعتِ اسلامیہ کا تخیّل اور اس کے نفاذ کا جذبہ ہے۔ دوسری طرف لامذہبیت اور خالص مادی تہذیب۔ اِدھر تنگ نظری اور تفرقہ بازی اُدھر انفرادی حُرّیت اور بے لگام آزادی پھر سرمایہ دارانہ اور اشتراکی کشمکش۔ غرض مختلف تحریکات اپنا اپنا محاذ قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم ابھی سے دیکھیں کہ ہمارے آئین اور قوانین جوں جوں بنیں واقعی صحیح اور ٹھیک بنیں۔ اگر اسوقت کوئی غلط قدم اُٹھ گیا تو ہمارا سارا تعمیری منصوبہ غلط ہو جائے گا ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج

اس میں شک نہیں کہ دینِ اسلام میں ہر قسم کے قوانین موجود ہیں۔ اور اپنی اتم اور اکمل شان میں موجود ہیں۔ صانعِ فطرت نے خود بنائے ہیں۔ اس لئے ان میں کسی ترمیم و تنسیخ کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کا صحیح صحیح علم حاصل کرنا اور سمجھنا ضروری ہے تاہم عملی رنگ میں انکو اپنا معیارِ زندگی بنا سکیں۔ اور اپنے حالات کا مطالعہ کر کے اپنی ضروریات کے مطابق اُن سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ اور اپنے ملکی قوانین کی نگرانی کر سکیں کہ وہ ہر رنگ میں اسلامی اصول کے مطابق بنیں۔ یا کم از کم اُن کے مخالف تو نہ ہوں۔ بلکہ ہمیں یہ خیال رکھنا چاہئیے کہ ہمارے مُلک

ہیں اِس وقت کوئی ایسی عملی طرح بھی نہ پڑ جائے جو بعد میں لاکھوں اور کروڑوں پاکستانیوں کے لئے مُضر ثابت ہوتی رہے۔ اور ہماری اپنی نسلیں ہمیں اِس آزادی کا نا اہل قرار دیں۔ جو اِس وقت خوش قسمتی سے ہمیں حاصل ہو چکی ہے۔

ممکن ہے بعض نئی روشنی کے دلدادہ اِس نظریہ کو رجعت پسندانہ قرار دیں لیکن انہیں یہ ضرور سوچنا چاہیئے کہ پاکستان مانگا کیوں گیا تھا۔ کیا اس لئے نہیں مانگا گیا تھا کہ مسلمان اپنے سچّے دین پر عمل کرنا چاہتے تھے اور اپنے اعلیٰ کلچر کو محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ اگر یہ درست ہے جیسا کہ یقیناً ہے تو پھر ہمیں یہ علم بھی ہونا چاہیئے کہ وہ مذہب اور کلچر کیا ہے۔ اور یہ کہ جو اعتراض اس پر کئے جاتے ہیں وہ سراسر باطل ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان ہمیں اس لئے دیا ہے کہ ہم معاشرتی اصلاح کر کے اپنی زندگیوں کو محمد صلعم کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ پس ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم دین اسلام کو سمجھیں اور اس کی فضیلت کو ہر رنگ میں ثابت کریں۔ اور اس عظیم الشان تہذیب کا دُنیا میں عملاً ڈنکا بجائیں۔ جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے قریباً چودہ سو سال پہلے قائم کی گئی تھی۔

اِس مختصر تمہید کے بعد مَیں اب اپنے آج کے مضمون کو لوں گا اور بعض اُن پابندیوں کا ذکر کروں گا جو اسلام نے انفرادی اور ملّی مفاد کی خاطر اخلاقی اور معاشی نظام کی بہتری کے لئے صنفِ نازک پر عائد

کی ہیں۔

۱۔ مرد کو خود نکاح کرنے کا اختیار ہے مگر عورت کے اوپر یہ پابندی عاید کی گئی ہے کہ وہ اپنے ولی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَانْكِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ (نساء رکوع ۴) یعنی انکے ساتھ انکے متعلقین کی رضامندی سے نکاح کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ (جامع ترمذی جزو اول صفحہ ۱۳۰ و ابن ماجہ) یعنی ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلعم اَيُّمَا اِمْرَاَةٍ لم ینکحها الولیّ فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل (ابن ماجہ) ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کا نکاح ولی نے نہیں کیا اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نکاح کرو مگر چوری نہ کرو۔ زبردستی نہ کرو عورت کی مرضی سے کرو۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں متفق علیہ حدیث ہے۔ لَا تُنكَحُ الايم حتّٰی تستامر ولا تنکح البکر حتّٰی تستاذن قالوا یا رسول اللہ وکیف اذنها قال ان تسکت یعنی بیوہ عورت کا نکاح اسکے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور باکرہ عورت کے نکاح سے قبل اسکی اجازت ضروری ہے صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ اجازت کیسے حاصل کی جائے۔ فرمایا دریافت کرنے پر اس کا خاموش رہنا ہی اسکی اجازت ہے۔

گویا عورت خواہ کنواری ہو یا بیوہ ہو اس کی اجازت سے ہی اس کی شادی کی جا سکتی ہے۔ بلکہ اس کے متعلقین کی مرضی سے کرو تا کہ تم کسی قسم کی شرارت یا دھوکہ نہ کر سکو۔

نکاح کا چونکہ اعلان ضروری ہے تاکہ وہ سفاح نہ بن جائے اس لیئے عام طور پر ایجاب قبول مجمع میں یا گواہوں کے سامنے کروایا جاتا ہے۔ ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نکاح کا اعلان مسجدوں میں کیا کرو۔ اسی طرح نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ نکاح اور زنا میں فرق اعلان کا ہے۔ شرم اور حیا کی وجہ سے جو عورتوں کا فطرتی زیور ہے، نوجوان لڑکیوں کا خود مجمع میں حاضر ہونا اور بولنا مناسب نہیں۔ اس لئے ولی اس کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور وہ لڑکی کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوتا ہے۔ جس کے دل میں طبعًا اس کی جان و مال، عزّت و ناموس کی حفاظت کا اصل اور صحیح جذبہ موجود ہوتا ہے۔ اور اُسے اپنے خاندان کی عزّت کا بھی پُورا پُورا احساس ہوتا ہے۔ اگر سول شادی کی طرح لڑکی اور لڑکا دونوں خود ہی چپکے سے رجسٹرار کے سامنے جا کر اپنی شادی کا اندراج کرا لیں تو نہ صرف یہ کہ اس میں بے حیائی کا ایک پہلو پایا جاتا ہے اور خاندانوں کے تعلقات، مفاد اور عزّت کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہو سکتی اور بعد میں کشیدگی اور کئی قسم کی

پیچیدگیاں پیدا ہونے کا امکان رہتا ہے۔ بلکہ اس صورت میں دونوں خاندان عملاً بالکل منقطع ہو جاتے ہیں اور تمدّن اور سوشل تعلقات کو ایک دھکّا لگتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس کا باپ یا بھائی سب انتظامات کرے تا نکاح کے ہر رنگ میں خوشگوار نتائج نکلیں۔ اگر لڑکی نابالغ ہے تو اُسے بلوغ پر نکاح کے تڑوانے کا اختیار حاصل ہے۔ پس اصل رضامندی اور اختیار تو لڑکی کا ہوتا ہے جو خود اسے استعمال کرنا چاہیئے۔ لیکن تمام عملی انتظامات خوشگوار رنگ میں سرانجام دینے کے لئے اس کا ایک ولی مقرر کیا جاتا ہے۔

لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرد عورت کا ولی بن سکتا ہے۔ مگر عورت اس کی ولی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ یہاں ولی فرمایا ہے ولیۃ نہیں فرمایا۔ بدایۃ المجتہد میں ہے۔ لَا یَصِحُّ تَوْکِیْلُ الصَّبِیِّ وَلَا الْمَجْنُوْنِ وَلَا امْرَاَۃٍ عَلٰی عَقْدِ النِّکَاحِ یعنی نکاح کے معاملہ میں بچہ، پاگل اور عورت وکیل نہیں بن سکتے۔

۲۔ مسلم مرد کتابیہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ (مائدہ رکوع ۱) ترجمہ:۔ اور پاکدامن عورتیں اُن لوگوں کی جو دیئے گئے کتاب۔ لیکن مسلمان عورت کسی غیر مسلم سے نکاح نہیں کر سکتی۔ جیسے فرمایا۔ لَا ھُنَّ حِلٌّ لَّھُمْ وَلَا ھُمْ یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ (الممتحنہ رکوع ۲) ترجمہ:۔ نہیں وہ عورتیں حلال اُن کیلئے

اور نہ وہ کافر (مرد) حلال ہیں اُن عورتوں کے لئے۔

یہ تنگ نظری نہیں اور نہ یہ انصاف کے خلاف ہے۔ نکاح اور مذہب کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ اور ذاتی جذبات اور احساسات سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر احتیاط نہ کی جائے تو جذبات مجروح ہوں گے اور لڑائی جھگڑے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ اس میں زبردستی بھی نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب اگر چاہیں تو مسلمان کو اپنی لڑکی نہ دینے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ مشرکہ عورت سے تو نکاح قطعی حرام ہے۔ فرمایا۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (بقرہ رکوع ۲۷) یعنی جبتک ایمان نہ لائیں مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو۔ وہ تو خدا کو مانتی ہی نہیں اس لئے اُن سے نکاح کرنا تو سراسر آگ سے کھیلنا ہے۔ لیکن ایک کتابیہ خدا اور پہلے رسولوں کو مانتی ہے اور وہ خوشی سے مسلمان مرد سے نکاح کرنے کو تیار ہے اس لئے اسلام جیسا تبلیغی مذہب اپنا دروازہ کیوں بند کرے۔ خصوصاً جبکہ اسلام عورت سے بہتر سلوک بھی کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان ایک زندہ وجود ہے مرد ہو یا عورت جیسے فرمایا۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (انفال رکوع ۳) ترجمہ:۔ اے مومنو! اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تمہیں بلائے تا وہ تمہیں زندہ کرے۔ اس لئے ایک مسلمان عورت کا نکاح کسی مُردہ سے نہیں ہو سکتا علاوہ ازیں

باپ چونکہ بیوی بچّوں کے اخراجات کا ذمّہ وار ہوتا ہے اس لئے اگر وہ غیر مسلم ہو تو بھی اور یہ کہہ سکتا ہے کہ اُسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے بچّوں کو اپنے مذہب پر چلائے۔ اور اس بیوی پر بھی اُس کا ہر طرح کا دباؤ رہے گا یہ ظاہر ہے کہ اس میں اسلام اور سچائی کا سراسر نقصان ہے پس مسلمان ہوتے ہوئے اس طرح اسلام کا نقصان کرنا نادانی یا غداری ہے جو جائز نہیں ہو سکتی۔

۳۔ مرد چار تک بیویاں کر سکتا ہے۔ مگر عورت ایک سے زائد خاوند نہیں کر سکتی۔ عورت کے ماہواری ایام، حمل، وضع حمل، رضاعت ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے وہ زیادہ خاوند نہیں کر سکتی۔ زیادہ خاوند ہونے کی صورت میں بچّہ کی ذمّہ واری کس پر ہو اس کی تعیین ناممکن ہے اور نسل اور ورثہ کے جھگڑے الگ ہوں گے۔ خاوندوں میں لڑائی بھی ہوگی۔ لیکن مرد چار بیویاں کر سکتا ہے۔ فرمایا۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (نساء رکوع ۱) یعنی نکاح کر لیا کرو جو عورتوں میں سے تمہیں پسند آئیں۔ دو دو یا تین تین یا چار چار لیکن اگر ڈرو کہ تم اُن میں عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی رکھو۔ اور اس حکم کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن مسلمانوں کو جن کی چار سے زائد بیویاں تھیں یہ ارشاد فرمایا کہ وہ چار بیویاں رکھیں اور باقیوں کو طلاق دے دیں۔ چنانچہ جب غیلان بن سلمہ

مسلمان ہوئے تو اُن کی دسؔ بیویاں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار بیویاں رکھو اور باقی کو طلاق دے دو (مسند احمد، ترمذی ابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح جزو دوم صہ ۹۳) اسی طرح نوفل بن معاویہ کہتے ہیں کہ جب مَیں مسلمان ہُوا تو میری پانچ بیویاں تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ مَیں ایک کو طلاق دیدوں۔ تو مَیں نے ایسا ہی کیا (مشکوٰۃ المصابیح جزو دوم صہ ۹۴) لیکن عورت کو ایک سے زائد خاوند کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

بعض مغرب زدہ مسلمان یہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ ظاہر کریں کہ اسلام تعدّدِ ازدواج کی اجازت نہیں دیتا۔ یا یہ کہ تعدّدِ ازدواج کو اعلیٰ روحانیت کے منافی اور خلاف قرار دیتا ہے۔ چنانچہ سر سیّد احمد خاں صاحب "خطباتِ احمدیہ" (مطبوعہ نول کشور لاہور صہ ۲۴۵) میں فرماتے ہیں کہ:-

"آیت لَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ (نساء رکوع ۱۹) سے صاف ثابت ہو گیا کہ عدل غیر ممکن ہے اور اس لئے خوفِ عدمِ عدل کبھی ساقط نہیں ہو سکتا جب تک کہ محلِّ عدل باقی ہے۔ اور اس آیت میں طلاق کو مسقطِ محلِ عدل بتایا ہے۔۔۔۔

ہاں بلاشبہ اس اجازت سے اوباش اور شہوت پرست آدمیوں کو جن کی زندگی کا عین منشا ٹٹی کی اوجھل شکار

کھیلنا ہے۔ ایک حیلہ ہاتھ آگیا ہے"

اسی طرح سید امیر علی صاحب مشہور قانون داں فرماتے ہیں۔[1]

"عورتوں میں عدل سے مراد صرف رہائش وغیرہ کے لحاظ سے اور اسی طرح پارچات اور دوسری گھریلو ضروریات زندگی کے لحاظ سے ہی برابری کا سلوک نہیں ہے بلکہ محبت، پیار اور احترام میں بھی برابری کا سلوک کرنا ہے۔ چونکہ جذبات میں پورا عدل ناممکن ہے اس لئے مندرجہ آیت قرآنی میں تعدد ازدواج کو منع ہی کر دیا گیا ہے۔ انسان کے ذہنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اور دنیا کے موجودہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ تعدد ازدواج کی ضرورت بھی معدوم ہوتی

---

[1] ملاحظہ ہو انکی کتاب The Spirit of Islam باب ۵۔

جلد ہی ہے۔ اور خاموشی سے اس پر عمل ترک کیا جا رہا ہے
یا تعدد ازدواج کو صاف طور پر ممنوع قرار دیا جا رہا ہے۔"
اسی طرح مسٹر عبداللہ یوسف علی اپنے ترجمۂ قرآن نوٹ ۵۰۹ میں لکھتے
ہیں:-

"provided you could treat them with perfect equality in material things as well as in affection and immaterial things. As this condition is most difficult to fulfil I understand the recommendation to be towards monogamy

لیکن یہ نظریہ درست نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تابعین
کے تابعین اور تبع تابعین کا عمل اس کے خلاف ہے۔ پھر بعد کے علماء
نے بھی اس پر بحث کی ہے۔ چنانچہ مجمع الرائق شرح کنز الدقائق (جلد ۳
کتاب النکاح باب القسم ص ۲۳۴ مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ) میں لکھا ہے
کہ یہاں عدل سے چند منکوحات میں برابری کرنا مراد ہے۔ اور اس کا
ترک کرنا اس کے واجب ہونے کے بعد حرام ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ بصورت
اندیشہ عدم مساوات نکاح کرنا حرام ہے۔ اسی طرح جامع الرموز جلد ۲
کتاب النکاح باب القسم ص ۲۷۲ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۸ء) میں لکھا ہے
کہ اگر شوہر کو یہ اندیشہ ہو کہ میں باری میں برابری نہ کر سکوں گا تو اسکو
دوسری عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں

ہے۔ لیکن شرح تاویلات میں ہے کہ جائز ہے۔ اس لئے کہ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً میں صیغہ امر استحباب پر محمول ہے نہ وجوب پر۔ حنفیوں کی کتاب فتاویٰ عالمگیری (جلد ۱۔ کتاب النکاح باب القسم صہ۳۱۹ مطبوعہ مصر ۱۲۸۲ھ اور ہدایہ (جلد ۲۔ کتاب النکاح صہ۲۹۱ مطبوعہ مصطفائی لکھنؤ ۱۳۰۱ھ) میں لکھا ہے کہ آزاد مرد کو چار آزاد عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں۔

جس آیت سے تعدد ازدواج کے خلاف استدلال کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (نساء رکوع ۱۹) اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں میں پورا پورا عدل کرسکو خواہ کتنی ہی تم حرص کرو۔ پس اتنا تو کرو کہ نہ جھک جاؤ تم سارا ہی ایک طرف کہ کردو تم دوسری عورت کو لٹکائی ہوئی کی طرح اور اگر اصلاح کروگے اور ڈروگے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کا پہلا حصہ بے شک یہ ہے کہ پورا پورا عدل ممکن نہیں لیکن دوسرا حصہ صاف صاف تعدد ازدواج کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ اور حکم یہ دیا گیا ہے کہ بالکل ہی ایک بیوی کی طرف

تم نہ جھک جاؤ اور دوسری کو معلقہ قرار دیدو نہ اِدھر نہ اُدھر۔ اگر تعدد ازدواج کی اجازت نہ دینا مقصود ہوتا تو اِس آیت کا دوسرا حصہ بالکل بے جوڑ اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ اگر ایک ہی بیوی رکھنے کا ارشاد ہوتا تو دوسری کا ذکر ہی کیوں کیا گیا۔ اور یہ کیوں کہا گیا کہ بالکل ایک ہی طرف نہ جھک جانا۔ یہ حصہ اسی صورت میں سمجھ آسکتا ہے جب ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت ہو۔ اگر کسی قسم کا عدل ہو ہی نہیں سکتا تو اِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا کی شرط بالکل لغو ہے۔ علیم و قدیر خدا جب جانتا ہے کہ عدل ناممکن ہے تو اُسے یہ کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ تم دو دو، تین تین، چار چار بیویاں کر لیا کرو۔ کہنا یہ کہ چار تک بیویاں کر لو اور شرط ساتھ ناممکن لگا دینا۔ یہ اس کی شان کے منافی ہے۔ صاف یہی حکم ہونا چاہیئے تھا کہ ایک سے زیادہ شادیاں مت کرو لیکن خدا نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے اِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا میں عدل کے معنے ہمیں ایسے کرنے پڑیں گے جو ممکنات میں سے ہوں۔ نان و نفقہ اور وقت وغیرہ میں چونکہ عدل ہو سکتا ہے اسلئے اس جگہ ہمیں وہی معنے لینے پڑیں گے۔ اور دوسری آیت یعنی لَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا میں عدل کے معنے ایسے لینے پڑینگے جو واقعی حقیقت پر مبنی ہوں۔ کیونکہ علیم و قدیر خدا جس چیز کو واقعہ قرار دے وہ غلط نہیں ہو سکتی۔ یہ ظاہر ہے کہ جو عدل ناممکن ہے

وہ جذبات کا ہے اس لئے اِس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جذبات میں پُورا پُورا عدل تو ممکن نہیں لیکن بالکل ہی ایک بیوی کی طرف جُھک جانا اور دوسری کو معلّقہ بنا دینا جائز نہیں۔ یعنی تعددِ ازدواج کی صورت میں نان نفقہ، وقت وغیرہ ظاہری سلوک میں پُورا پُورا عدل کرنا تمہارا فرض ہے۔ یہ تم کر سکتے ہو۔ لیکن جذبات اور احساسات میں باوجود کوشش کے اگر تم تکمیلِ عدل نہ کرسکو تو اتنا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہ تم کر ہی نہیں سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اس آیت کی یہی تشریح کی ہے۔ عن عائشۃ اَنَّ النَّبِیَّ صلّی اللہ علیہ وسلّم کان یَقْسِمُ بین نسائہ فیعدل ویقول اللّٰھمّ ھٰذا قسمی فیما اَملِکُ فلا تلمنی فیما تَملِکُ ولا اَملِکُ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ باب القسم صفحہ ۲۷۹۔ ابوداؤد باب النکاح) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ اپنی بیویوں میں عدل کرتے تھے اور اس کے بعد یہ دُعا فرماتے تھے اے اللہ! جہاں تک میری طاقت ہے عدل کر دیا ہے۔ لیکن اِس معاملہ میں جو تیرے ہاتھ میں ہے مجھے ملزم نہ گردانیں کیونکہ وہ میرے اختیار کی بات نہیں۔ اُمت کے دوسرے علماء نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ چنانچہ مجاہد نے بھی اس کے یہی معنے کئے ہیں کہ ایک کی طرف ایسا مت جُھکو کہ دوسری بیویوں کو اُن کے واجب حقوق سے محروم کر دو۔ مثلاً نان و نفقہ وغیرہ میں اور دستور کے موافق اُن کے ساتھ

دیگر معاشرتی امور ہیں۔ اور اس کو ایسا مت چھوڑو کہ نہ وہ خاوند والی کہلا سکے اور نہ ہی بیوہ کی مانند ہو۔ (ابن جریر زیرآیت لن تستطیعوا جزو خامس ص۱۶۸) اسی طرح عبیدہؓ کا قول ہے کہ وہ عدل جو ناممکن ہے وہ محبت اور جماع میں عدل ہے (ابن جریر زیرآیت مذکورہ) حضرت ابن عباسؓ نے بھی فرمایا ہے کہ وہ عدل جو ناممکن ہے وہ شہوت میں عدل ہے (ابن جریر زیرآیت مذکورہ) ہدایہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ جو عدل ممکن نہیں وہ محبّت اور جماع میں عدل ہے۔ اسی طرح قتادہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ اپنے دل کا تو میں مالک نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ دیگر امور میں میں اُمید کرتا ہوں کہ میں عدل کرونگا۔ اسی طرح خود ابن جریر بھی مندرجہ بالا خیال اور مضمون کی ہی تائید کرتے ہیں (ابن جریر زیرآیت مذکورہ)

یہ کہنا کہ تعدد ازدواج ایک ادنیٰ تہذیب کی علامت ہے۔ اور اعلیٰ تعلیم اور اخلاق کے منافی ہے۔ کسی مسلمان کو زیبا نہیں۔ البتہ کمزور طبیعت، مغرب زدہ اور کوتہ اندیش لوگوں کا بیشک یہ ایک بوسیدہ اور سڑا ہوا خیال ہے۔ درحقیقت بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور بہت سے صلحائے ملت اور اللہ تعالےٰ کے رسولوں پر یہ ایک پوشیدہ اور خطرناک حملہ ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں نے عملاً ضرورت حقہ کے ماتحت ایک سے

زیادہ بیویاں کیں۔ کوئی مسلمان یا معقول آدمی اس قسم کا گندہ اعتراض مقدس بانیٔ اسلام اور دوسرے رسولوں کی ذات پر نہیں کر سکتا۔ ایسے معترض کا یہ حق نہیں کہ وہ اپنے اس قسم کے خیالات کو اسلام کی تعلیم قرار دے۔

جن حالات اور جن شرائط کے ماتحت اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ اخلاقی اور روحانی لحاظ سے انسان کی انفرادی اور تمدنی زندگی اور ترقی کے لئے اُن حالات میں اس سے زیادہ بہتر، بلند اور پاکیزہ اور کوئی تجویز ممکن ہی نہیں۔ اس اعلیٰ تعلیم پر عمل نہ کرنا ملی اور نسلی خسران کے علاوہ سراسر ظلم اور بدکاری میں مبتلا ہونا ہے۔

۴۔ مرد خود طلاق دے سکتا ہے مگر عورت اگر خلع چاہے تو قاضی کے پاس درخواست کرے۔

ابن رشد اپنی کتاب بدایۃ المجتہد (جلد دوم مطبع محمد علی ازہر مصر ص۵۶) میں فرماتے ہیں۔ لا یجوز الخُلعُ الّا باذن السلطان۔

ابن تیمیہ نے (منتقی جلد دوم مطبع حجازی مصر ص۶۱۴-۶۱۵) نسائی اور دار قطنی کی یہ حدیثیں پیش کی ہیں:-

عن ربیعؔ بنت معوذٍ ان ثابتؔ ابن قیس بن شماس ضرب امرأتہ وھی جمیلۃ بنت عبد اللہ بن اُبَیّ بن سلول فاتیٰ اخوھا

يشتكيه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم
فارسل رسول الله صلى الله عليه وسلم
الى ثابت فقال له خذ الذى لها عليك و
خلّ سبيلها قال نعم۔

ترجمہ :۔ ربیع بنت معوض سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس
نے اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی کو مارا۔ اس پر اس کا
بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کرتا ہوا
حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ کو بلا بھیجا اور فرمایا
کہ جو کچھ تو نے اُسے دیا ہے وہ لے لے۔ اور اُسے
(اپنے نکاح سے) آزاد کر دے۔

عن ابى الزبير كان اصدقها حديقةً
فقال النبى صلى الله عليه وسلم اتردين
عليه حديقتها التى اعطاك قال نعم
وزيادةً فقال النبى صلعم اما الزيادة
فلا ولكن حديقة قالت نعم فاخذها
له وخلى سبيلها۔ فلما بلغ ذلك ثابت
ابن قيس قال قبلتُ قضاءَ رسول الله
صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ :۔ ابو زبیرؓ سے روایت ہے کہ اس نے اُسے ایک

باغیچہ دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بُلا کر کہا کہ کیا تُو اپنے خاوند کو باغیچہ واپس کرنے پر راضی ہے ؟ اُس نے جواب دیا۔ حضور ہاں! بلکہ کچھ زیادہ بھی دینے کیلئے تیار ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ زیادہ کی ضرورت نہیں مگر باغیچہ واپس کر دو۔ عرض کی۔ بہت اچھا حضور! جس پر حضورؐ نے باغیچہ اُس سے لیکر اُسے آزاد کر دیا۔ جب اِس فیصلہ کی اطلاع ثابتؓ بن قیس کو ملی۔ اُس نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو مَیں نے قبول کیا۔

حبیبہؓ بنت سہلؓ سے نسائی میں روایت ہے کہ وہ ثابتؓ بن قیس سے بیاہی گئی۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ ثابتؓ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اور نہ ثابت اُس کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ سے فرمایا کہ جو اُس نے حبیبہ کو دیا تھا اُس میں سے کچھ لے لے۔ ثابتؓ نے کہا اچھا۔ اور حبیبہ پھر اپنے میکے چلی گئی۔

اِس پابندی کی وجہ یہ ہے کہ جب عورت کو بغیر ولی کے نکاح کا اختیار نہیں دیا گیا تو وہ خود ہی رشتہ کو توڑ بھی نہیں سکتی۔ علاوہ ازیں مرد چونکہ مہر ادا کرتا ہے، گھر بناتا ہے، محنت مشقت کر کے نان و نفقہ کے لئے روپیہ مہیّا کرتا ہے اور بچوں کے ہر قسم کے اخراجات کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔ اس لئے ایک معقول مرد یہ

یہی توقع کی جائے گی کہ عام حالت میں وہ بغیر کافی وجہ اور بغیر کسی مجبوری کے اپنے طلاق کے اختیار کو استعمال کر کے اپنی پسندیدہ بیوی کو الگ نہیں کریگا۔ اور اپنا گھر برباد کر کے اپنا سارا نقصان یونہی نہیں کرے گا۔ لیکن عورت کا اس قسم کا کوئی نقصان نہیں اور وہ شتاب کار ہے۔ چھوٹی سی بات پر روٹھ بھی جاتی ہے۔ اور دھوکہ بھی کھا سکتی ہے۔ اس لئے عورت کو اگر یہ اختیار دیا جاتا کہ جب چاہے اپنے خاوند کو چھوڑ کر اور اس کا گھر برباد کر کے کسی اور کے پاس جا رہے۔ تو خاوند کے ساتھ بہت بے انصافی ہوتی۔ اور اس کے نقصان کی تلافی بھی نہ ہو سکتی۔ اس لئے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ بغیر کافی وجہ کے بیوی نہ بھاگ جائے۔ ہاں اگر خاوند اپنی بیوی پر ظلم کرے اور اس سے باز نہ آئے تو کھلا کھلا قاضی کے سامنے یہ بات واضح کی جائے اور دونوں کو پورا موقع دیا جائے کہ وہ اصلاح کر لیں۔ لیکن اگر وہ نہ کر سکیں اور عورت الگ ہونا چاہے اور قاضی کے نزدیک جدائی ہی مناسب اور ضروری ہو تو خلع کا فیصلہ کر دے۔ اس صورت میں بھی عورت کو مہر کا حق نہ ہوگا۔ تا مرد اپنا اور انتظام کر سکے اور عورت آزاد ہو جائے۔ فرمایا۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ (سورہ بقرہ رکوع ۲۹)

ترجمہ:۔ تو پھر نہیں گناہ ہوگا ان دونوں پر اس مال میں کہ بدلے میں دے وہ عورت (اپنی طلاق کے) اس مال کو۔

۵۔ مرد عورت سے افضل ہے اور اپنی بیوی کا نگران اور ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ (نساء رکوع ۶)

یعنی مرد عورتوں پر نگران ہیں بسبب اس کے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے۔

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے نیچے لکھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی موہبت ہے کہ اس نے مردوں کو کمال عقل، حسن تدبیر اور قوت فی العمل عطا کر کے عورتوں پر فضیلت دی۔ ولذالك خصصوا بالنبوۃ والامامۃ والولایۃ۔ یعنی اسی وجہ سے نبی، امام اور حاکم بننا مردوں کے لئے مخصوص کیا گیا۔

پھر فرمایا۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ (بقرہ رکوع ۲۸)

یعنی مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ الرجل راع علی اھلہ وھو مسئول (بخاری باب قوا انفسکم واھلیکم نارا۔ کتاب النکاح) یعنی مرد اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور ان کے متعلق جوابدہ ہے۔

پھر بخاری اور مشکوٰۃ میں یہ حدیث درج ہے:۔

عن ابی سعید الخدری قال خرج رسول اللہ

فی اضحیٰ او فطرٍ الی المصلّٰی فمرّ علی النّساءِ فقال یا معشر النّساء تصدّقن فانّی اُریتکنّ اکثر اھل النّارِ فقلنَ وبم یارسول اللّٰہ قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیرۃ ما رأیتُ مِن ناقصاتِ عقلٍ ودین اَذھب لِلُبِّ الرجل الحازم من احدٰکُنّ قلنَ وما نقصان دیننا وعقلنا یارسول اللّٰہ قال الیس شھادۃ المرأۃِ مثل نصف شھادۃ الرجل قُلنَ بلیٰ قال فذٰلک من نقصان عقلھا قال الیس اذا حاضت لم تصلّ ولم تصم قُلنَ بلیٰ قال فذٰلک من نقصان دینھا۔ متّفق علیہ (بخاری کتاب الحیض باب ترک الحائض الصوم ، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

ترجمہ:۔ ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیہ یا عید الفطر کے موقع پہ جاتے ہوئے عورتوں کے پاس سے گذرے تو آپؐ نے اُنھیں کہا کہ اے عورتو! صدقہ کرو کیونکہ مَیں دوزخ میں عورتوں کی کثرت دیکھتا ہوں۔ عورتوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیونکہ تم لعن طعن

بہت کرتی ہو۔ خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو اور میں نے ناقصات عقل و دین میں سے کسی کو تم سے زیادہ ایک دور اندیش مرد کی عقل کو مارنے والا نہیں دیکھا عورتوں نے کہا کہ ہمارے دین اور عقل کا کیا نقصان ہے یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کا نصف نہیں؟ انہوں نے کہا۔ ہاں! آپؐ نے فرمایا۔ یہ اس کے عقل کے نقصان کی وجہ سے ہے۔ پھر فرمایا۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ حیض کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں! آپؐ نے فرمایا۔ یہ اس کے دین کے نقصان کی وجہ سے ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

استوصوا بالنّساء فانّ المرأۃ خلقت من ضلع (مسلم جلد ۲ کتاب الرضاع باب الوصیۃ بالنساء)

لہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کو عقل ہے ہی نہیں۔ دراصل ناقصات العقل والدّین نسبتی امر ہے کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کم عقل رکھتی ہے یعنی کامل سے کامل مرد سے کامل عورت عقل میں کم ہوگی۔ ورنہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض عورتیں بعض مردوں سے زیادہ عقلمند ہوتی ہیں۔ بلکہ اسجگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورتیں بڑے بڑے عقلمندوں کو بھی اندھا بنا دیتی ہیں۔

شیخ محمد طاہر اس کے یہ معنے کرتے ہیں۔ ای خُلِقن خلقاً فیہ الاعوجاج (مجمع البحار جلد اول زیر لفظ ضلع) یعنی ان کی پیدائش میں کجی ہوتی ہے مطلب یہ کہ ان کے اخلاق میں ناز کا پہلو ہوتا ہے۔ فرمایا:۔

المرأۃ کالضلع ان اقمتھا کسرتھا وان استمتعت بھا استمتعت بھا وفیھا عوج۔ (بخاری باب مدارات النساء)

یعنی عورت پسلی کی طرح ہے تو اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو توڑ دے گا اگر تو اس سے فائدہ اٹھائے گا تو اسکی حالت میں فائدہ اٹھا سکے گا

اسی طرح فرمایا۔ ایک دفعہ ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ انجشہ (حبشی غلام) حدی پڑھتے جاتے تھے۔ اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا۔ یا انجش رُویدک سوقک بالقواریر (بخاری) اے انجشہ! عورتوں کے اونٹ آہستہ سے ہانک یعنی دیکھنا شیشے (عورتیں) ٹوٹنے نہ پائیں۔ (سیرت النبیؐ شبلی حصہ اول جلد ۲ صفحہ ۳۵)

حجۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ نے عورتوں سے نیک سلوک کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔

فانھن عندکم عوان لا یملکن لانفسھن شیئاً (سیرۃ ابن ہشام ج ۳ صفحہ ۶)

یعنی وہ تمہارے پاس قیدی ہیں اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:-

اتقوا اللہ فی الضعیفین المرأۃ والیتیم

دو کمزوروں یعنی عورت اور یتیم کے بارہ میں اللہ سے ڈرو۔

۲- عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت گذار ہو۔

فرمایا:-

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ (نساء رکوع ۶)

یعنی نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہوں[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میں کسی کو اللہ کے سوا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(ابن ماجہ)

بہرحال اسلام میں بیوی پر خاوند کی اطاعت لازم

---

[1] مغربی ممالک میں بھی ایک عام نوجوان عورت جس کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اپنی شادی کے موقع پر گرجے میں جا کر اپنے خاوند سے یہ کہتی ہے:-

"to love, cherish, and to obey, till death us departs"

ہے۔ حتیٰ کہ اگر بیوی نشوز کرے تو خاوند مار بھی سکتا ہے۔ ۱؎ جیسے فرمایا:۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَ
اھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ

۱؎ اب بھی بعض ممالک میں خاوند کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مار سکے۔ دیکھو:۔

(Dicey's Conflict of laws' Edited by. J.H.C. Morris' 6th Ed. London 1949; PP 480-481).

"The English courts do not appear to have considered problems of the conflict of laws in relation to such matters as a husband's right to beat his wife or to read her correspondence."

انگریزی قانون میں اب خاوند کو یہ اختیار نہیں کہ بیوی کو مار سکے لیکن پہلے انکے ہاں یہ قانون تھا:

"The husband hath by law power and dominion over his wife, may keep her by force within the bounds of duty and may beat her, but not in a violent or cruel manner" (1 Bacon's Abridgment 693; F.N.B. 80)

۱۸۹۲ء تک خاوند کو یہ اختیار حاصل تھا۔

"A MODERN husband has a limited control over his wife's person, but may not chastise her ... except in case of flagrant misconduct (The Law of husband & wife by Charles Crawley, P.37. London 1892)

اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْتَغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ

(نساء رکوع ٦)

یعنی جن عورتوں کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو (اول) انہیں نصیحت کرو۔ اس کے بعد (دوسرا درجہ یہ ہے کہ) بستروں میں اُن سے علیحدگی اختیار کرو۔ (تیسرا درجہ یہ ہے کہ) اُن کو مارو لیکن اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو اُن کے لئے کوئی اور راہ مت تلاش کرو۔

لیکن ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت دی کہ ضربًا غیر مبرّح (سیرت ابن ہشام ج ۳ صفحہ ۷۶) مارنا ہلکا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جسم پر نشان پڑجائیں۔ اور یہ فرمایا کہ چہرہ پر مارنا منع ہے۔ چنانچہ عورت کے متعلق آپؐ نے فرمایا۔ ولا تضرب الوجہ کہ اسے چہرے پر نہ مار۔ (ابوداؤد۔ مشکوٰۃ کتاب النکاح)

پھر فرمایا۔ لیس اولٰئک بخیارکم۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی (مشکوٰۃ المصابیح کتاب النکاح) جن لوگوں نے اپنی بیویوں کو مارا ہے وہ ہرگز اچھے آدمی نہیں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ خاوند کا یہ اختیار تحکمانہ یا مالکانہ رنگ کا نہیں بلکہ صرف ایسے حالات میں جائز ہے کہ جب معاشی اور اصلی اغراض کی حفاظت کے لئے یہ ناگزیر ہو جائے۔ اور کم سے کم استعمال ہو۔ اور بطور گھریلو علاج کے ہو۔ میاں بیوی کے تعلقات اور

احساسات نہایت نازک ہوتے ہیں۔ ان کا پبلک اظہار اور تشہیر فطرت اور حیاء اور اخلاق کے منافی ہے۔ بیوی کا نشوز گھر کو تباہ کرنے کا موجب ہے۔ خاوند اگر فوراً انتہائی قدم اٹھائے اور طلاق دیدے تو سب کے لئے مشکلات پیدا ہوتی ہیں اس لئے خالق فطرت نے یہ ایک درمیانی راہ اصلاح کے لئے رکھی ہے۔ خاوند اگر اس کا غلط استعمال کرے تو بیوی کو خلع کا حق ہے۔

۷۔ عورت کا اصل دائرہ عمل اس کا گھر ہے۔ چنانچہ ازواج مطہرات نبوی کو فرمایا کہ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (احزاب رکوع ۴) اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہا کرو۔ درمنثور میں اس آیت کے نیچے لکھا ہے۔

اخرج ابن ابی حاتم عن ام نائلة رضی اللّٰہ عنہا قالت جاء ابو برزة فلم یجد ام ولدہ فی البیت وقالوا ذھبت الی المسجد فلما جاءت صاح بھا فقال ان اللّٰہ نھی النساء ان یخرجن وامرھن ان یقرن فی بیوتھن ولا یتبعن جنازة ولا یاتین مسجدا ولا یشھدن جمعة واخرج الترمذی و البزار عن ابن مسعود عن النبی صلعم قال ان المرأة عورة فاذا خرجت

استشرفها الشیطان واقرب ما تکون من رحمة اللّٰہ وھی فی قعر بیتھا۔

ترجمہ:- ابن ابی حاتم نے ام نائلہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ابو برزہ رضؓ گھر پہنچے تو دیکھا کہ انکی اھلیہ گھر میں نہیں۔ لوگوں نے کہا وہ مسجد میں گئی ہیں پس جب وہ واپس آئیں تو ابو برزہ رضؓ انکی سے جھگڑے ساور فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے عورتوں کو باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں۔ نہ جنازوں کی پیروی کریں اور نہ مسجد میں جائیں۔ اور نہ جمعہ میں حاضر ہوں۔ اور ترمذی اور بزار نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ عورت قابل پردہ ہے جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کے قریب آجاتا ہے اور جب گھر میں ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے قریب رہتی ہے۔

فرمایا:-

المرأۃ راعیة علی بیت زوجھا وھی مسئولة (بخاری باب قوا انفسکم واھلیکم نارا)

کہ عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگران اور ذمہ دار ہے۔

اور اگر عورت کو گھر سے باہر کسی سفر پر جانا پڑے تو وہ اکیلی نہ جائے۔ فرمایا:۔

لا یحل لامرأۃ مسلمۃ تسافر مسیرۃ
الا ومعہا رجل ذو حرمۃ منہا (ابوداؤد) یا
لا تسافر المرأۃ الا مع ذی محرم (بخاری مسلم)
یعنی عورت ذی محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔

اسی طرح فرمایا:۔

لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم
الآخر ان تسافر سفراً یکون ثلثۃ ایام
فصاعداً الا ومعہا ابوہا و اخوہا او
زوجہا او ابنہا او ذو محرم منہا (ترمذی
باب ماجاء فی کراھتہ ان تسافر امرأۃ
وحدھا)

یعنی نہیں جائز کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتی ہے کہ وہ تین دن یا اس سے زائد کا سفر اختیار کرے مگر اس حالت میں کہ اس کے ساتھ اسکا باپ، بھائی، خاوند یا کوئی ذو محرم ہو۔

سفر ویسے ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مرد بھی اگر اکیلا ہو تو سفر میں کوئی آرام نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے نماز اور روزہ میں

اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی ہے۔ عورت نے چونکہ پردہ کرنا ہوتا ہے اس لئے اسے اور بھی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی اکیلا ہونے کی صورت میں عورتوں کو تو خصوصاً مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ بہرحال عورت کے لئے بہتر یہی ہے کہ اپنے گھر رہے اور بغیر ضرورتؑ باہر نہ جائے

امام احمدؒ نے ام حمید ساعدیہ کی یہ حدیث نقل کی ہے۔ قالت یا رسول اللہ انی احب الصّلوٰۃ معک قال قد علمت ..... صلوٰۃ فی دارک خیر من صلوتکِ فی مسجد قومکِ۔ یعنی ام حمید ساعدیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اُسے آپؐ کے ساتھ نماز بہت پسند ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم نماز اپنے گھر پڑھو تو وہ تمہاری

ؑ ابن تیمیہ اپنی تفسیر سورہ نور (مطبوعہ ۱۳۴۳ھ ص۵۱) میں کہتے ہیں:۔

"فکانت خلوۃ بہا للضرورۃ کما یجوز للمرأۃ ان تسافر بلا محرم للضرورۃ کسفر الھجرۃ مثل ما قدّمت ام کلثوم بنت عتبۃ ابی معیطۃ مھاجرۃ وقصّۃ عائشۃ رضؓ۔"

قوم کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔ لا تمنعوا نساءکم المساجد و بیوتھن خیر لھن (ابوداؤد۔ بخاری) یعنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو گو اُن کے لئے اپنے گھر بہتر ہیں اسی طرح عورتوں پر جہاد فرض نہیں رکھا گیا۔ عورتوں کا اصل جہاد یہی ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہیں اور بچے پیدا کر کے اُن کی صحیح تعلیم و تربیت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من قعدت (او کلمۃ نحوہ) منکن فی بیتھا فانّھا تدرک عمل المجاھدین فی سبیل اللہ تعالیٰ (ابن کثیر زیر آیت قرن فی بیوتکن) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کو گھر سے نکلنا حرام ہے۔ ضرورت کے وقت عورت گھر سے باہر جا سکتی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فقال انّہ قد اُذن لکنّ ان تخرجن لحاجتکنّ (بخاری تفسیر سورہ احزاب) یعنی تمہیں اجازت دی گئی ہے کہ اپنی حاجتوں کے لئے گھروں سے باہر جاؤ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"قرآن کریم سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ اگر انہیں باہر نکلنے کی اجازت نہ ہوتی تو غض بصر کے حکم کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خود آپؐ کی بیویاں آپؐ کی بیٹیاں باہر نکلتی تھیں۔ جنگوں پر جانا، کھیتوں وغیرہ پر کام کرنے کے لئے جانا۔ حاجاتِ بشریہ پورا کرنے کے لئے جانا۔ علم سیکھنے۔ علم سکھانے کے لئے جانا یہ نہایت ہی کثرت سے ثابت ہے۔۔۔۔۔ فطرتِ انسانی بھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ مرد جو مضبوط ہے اسے تو صحت کے درست رکھنے کے لئے باہر کی آب و ہوا کی ضرورت ہو لیکن عورت جو فطرتاً کمزور صحت لے کر آئی ہے اُسے کھلی ہوا سے محروم کر دیا جائے۔۔۔۔۔ پردے کے قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت ہر قسم کے کاموں میں مردوں کے شریکِ حال ہو سکتی ہے۔ وہ مردوں سے پڑھ سکتی ہے۔ لیکچر سُن سکتی ہے۔ لیکچر سُنا سکتی ہے۔ مجالس وعظ اور لیکچروں میں مردوں سے الگ ہو کر بیٹھ سکتی ہے۔ ضرورت کے موقع پر اپنی رائے بیان کر سکتی اور بحث کر سکتی ہے۔ ایسے امور جن میں عورتوں کا دخل ہے اُن امور میں عورتوں کا مشورہ لینا بھی ضروری ہے۔ عورت حاجت کے وقت مرد کے ساتھ ریل گاڑی میں بیٹھ سکتی ہے

جیسے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص سوار جا رہا ہو اور عورت ہو تو اس عورت کو اپنے پیچھے بٹھا لے"

(مصباح یکم اپریل ۱۹۲۸ء)

لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ زندگی میں عورت کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ خود اپنی روزی کمانے کے لئے سوچ بچار کرے۔ اس کا اصل دائرہ عمل اس کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ۔ اس کی ہر قسم کی ضروریات اس کے خاوند کے ذمہ ہیں۔ جو بچوں کا باپ ہے۔ اگر وہ اپنی روزی کمانے کی فکر میں ہی لگی رہے تو گھریلو فرائض کون ادا کرے گا، بچوں کی تعلیم و تربیت کس طرح ہو گی۔

۸۔ نماز باجماعت میں امام مرد ہو اور اس کے پیچھے عورتیں اگر شامل ہوں تو مرد کے ساتھ برابر نہ کھڑی ہوں بلکہ الگ اور پیچھے صف بنائیں۔ (ترمذی باب ما جاء فی الرجل یصلی ومعه رجال ونساء۔ بخاری۔ باب المرأة وحدها تكون صفا۔ نسائی باب موقف الامام اذا كان معه صبی وامرأة)

عن ابی مالك الاشعری انه قال یوما ..... اجتمعوا ..... حتی اریكم

صلاۃ رسول اللہ صلعم ..... وصف
الولدان خلفہم وصف النساء خلف
الصبیان (نصب الرایۃ مصنفہ علامہ زیلعی جزثانی ص۳۶)

چنانچہ ترمذی ابواب الصلوٰۃ میں ہے کہ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ اُن کی دادی ماں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر بلایا۔ کھانا کھانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُٹھو نماز پڑھیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے انسؓ اور ایک یتیم لڑکا کھڑے ہو گئے اور بڑھیا ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

اسی طرح ترمذی میں اسی جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت نماز پڑھنے والے ہوں تو مرد امام کے دائیں اور عورت پیچھے کھڑی ہو۔

لیکن عورت مردوں کی امام نہیں ہو سکتی۔ فرمایا۔ عورت عورتوں کی امام ہو اور اُن کے درمیان کھڑی ہو آگے نہ ہو۔
عن ابن عباس قال تؤم المرأۃ النساء تقوم وسطہن۔ (نصب الرایۃ ص۳۲)

امام کی غلطی پر نماز میں مرد سبحان اللہ کہے مگر عورتیں بولیں نہیں دستک دیں۔ (بخاری باب التصفیق النساء)

ترمذی ابواب الصلوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔ آواز
بھی صنفی کشش کا ایک ذریعہ ہے اس لئے عبادت کے وقت
انتشار ذہنی سے بچانے کے لئے یہ تجویز رکھی گئی ہے۔

۹۔ ایّام حیض میں عورت نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے اور نہ مسجد میں
آئے۔ (کفایہ) اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ
هُوَ اَذًی (بقرہ رکوع ۲۸) کہہ دو حیض ناپاک چیز ہے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لِيَجْتَنِبَنَّ الْحَيْضُ مُصَلّٰى
النَّاس (ابن ماجہ) و یعتزل الحیض المصلّٰی۔ (بخاری
کتاب الحیض) یعنی حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔

۱۰۔ عورت کی شہادت مرد کے برابر نہیں۔ فرمایا۔ فَاِنْ لَّمْ
يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا
فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ط (سورہ بقرہ رکوع ۳۹)
کہ شہادت کے لئے اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو
عورتیں ہو جائیں اُن لوگوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے
ہو گواہوں کے طور پر مبادا کہ بھول جائے ایک دو میں سے
تو یاد دلا دے ایک دونوں میں سے دوسری کو۔

غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار (مطبع سید نقی بریلی جلد ۳
صفحہ ۲۴۲) میں لکھا ہے:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

بعد دونوں خلیفوں سے یہ سُنّت جاری ہے کہ جائز نہیں عورتوں کی گواہی حدود اور دِماء یعنی قصاص میں (لا یجوز شہادۃ النّساء فی الحدود والدّماء)

ص۲۷ پر لکھا ہے :- قال رسول اللہ صلعم شہادۃ النساء جائزۃ فیما لا یستطیع الرجال النظر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہادت عورتوں کی جائز ہے اس میں جس کی طرف مرد نہیں نظر کر سکتے۔ اس کے برخلاف مرد کی شہادت تمام مقدمات میں جائز ہے۔

شیعوں کی کتاب فروع کافی جلد ۳ ص۲۱۶ پر لکھا ہے :-

"تجوز شہادۃ النساء فیما لا یستطیع الرجال ان ینظروا الیہ ویشہدوا علیہ و تجوز شہادتھنّ فی النکاح ولا تجوز فی الطلاق ولا فی الدم و تجوز فی حدّ الزنا اذا کان ثلٰثۃ رجال و امرأتان ولا تجوز ان کان رجلان واربع نسوۃ ولا تجوز شہادتھنّ فی الرجم"

ہمارے موجودہ قانون میں جو مغربی سانچے میں ڈھلا ہوا ہے مرد اور عورت کی شہادت میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ مگر

مندرجہ ذیل رائے خاص توجہ کے قابل ہے جو مشہور اور مستند شارح نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر اس ضمن میں علی الاعلان پیش کی ہے ٹیلر جو قانون شہادت کا بڑا ماہر مانا جاتا ہے لکھتا ہے :-

"مبالغہ آمیزی کا بڑا محرک فطرتی عجوبہ پسندی سے پیدا ہوتا ہے اور باقی تمام محبتوں کی طرح یہ شوق صنف نازک میں نہایت ہی نمایاں ہے اس لئے ایک دور اندیش آدمی کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ عورتوں کی شہادت کا وزن کرتے وقت عموماً بڑی احتیاط سے کام لے۔ اس کی اس سے بھی زیادہ ضرورت ہے کہ محض مبالغہ آمیزی سے ہی وسیع اور خطرناک میدان جھوٹ کا کھل جاتا ہو" (۵۰۵ م)

ایم سی اللہ دلیس بھی سرکار صاحبان اپنے قانون شہادت کے ساتویں ایڈیشن ۱۹۴۳ء کے صفحہ ۱۳۱۰-۱۳۱۱ پر لکھتے ہیں :-

"ہندوستان میں عام طور پر نانی گواہوں کے معاملہ میں عجیب مشکلات کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ وہ الگ تھلگ رہتی ہیں اور شدید پردہ کرتی ہیں۔ اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہیئے۔ وکیل اور قاضی کو سب سے پہلے یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ سوالات کو پوری طرح

سمجھ گئی ہیں۔ چونکہ وہ پبلک میں کم آتی ہیں اس لیے
اُن کی شرم اور حیا صاف جواب دینے میں روک
بن جاتی ہے۔"

جسٹس منیر اپنے قانون شہادت مطبوعہ الہ آباد ۱۹۴۳ء کے
صفحہ ۱۰۰۹ پر لکھتے ہیں :-

"قانون فوجداری کو چلانے کا جو تجربہ رکھتے ہیں ان
کے نزدیک یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جھوٹی اور سچی
شہادت کا پرکھنا سب سے زیادہ مشکل ان مقدمات
میں ہوتا ہے جہاں عورتیں یہ کہتی ہیں کہ انکی عصمت دری
کی گئی ہے۔ یا اس قسم کی کوشش کی گئی ہے.....
اس لیے دور اندیشی کا یہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ
عورت کی شہادت کی تائید و تصدیق کو نہ صرف زنا
بتراضی کی صورت میں بلکہ زنا بالجبر کے معاملہ میں بھی
ضروری قرار دیا جائے۔"

ان وجوہات کے علاوہ جو فاضل قانون دانوں نے اوپر دی
ہیں یہ بات بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ عورتوں کا اصل دائرہ عمل
گھر ہے۔ اور بیرونی دنیا کی واقفیت انہیں زیادہ میسر آنا ضروری
نہیں۔ ویسے بھی عورتوں کو شہادت کے لیے عدالتوں میں گھسیٹنا
اور طرح طرح کے سوالات میں اُلجھانا پسندیدہ امر نہیں جیسے

خود ہمارے مُلک کے ضابطۂ دیوانی کی دفعہ ۱۳۲ ۶۴۰ء
میں اصولاً اُسے تسلیم کیا گیا ہے۔

حیض، حمل، وضع اور رضاعت کے ایام میں عورتیں دراصل شہادت دینے کے قابل بھی نہیں ہوتیں۔ اُن کے دل اور دماغ کی کیفیت یقیناً بدلی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر انہیں عدالت میں بلاکر پبلک میں خصوصاً دو مخالف فریق کی موجودگی میں وکیل اُن سے ہر قسم کے سوال پوچھیں اور لمبی لمبی جرح کریں تو نہایت ہی ناگوار اور ناقابلِ برداشت صورت حالات پیدا ہو سکتی ہے شہادت کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن شرم، حیا اور عورتوں کا احترام یقیناً زیادہ اہم چیزیں ہیں۔ انہیں بغیر کافی وجوہات کے نقصان نہیں پہنچانا چاہیئے۔ اس لئے اسلام نے بعض امور میں عورت کی شہادت جائز ہی نہیں رکھی۔ اور جن معاملات میں جائز رکھی ہے وہاں مرد کی شہادت کو عموماً زیادہ وزن دیا گیا ہے۔

۱۱۔ عورت کا حصّہ میراث میں مرد سے نصف ہے۔ فرمایا۔ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (نساء رکوع آخر) یعنی مرد کا حصّہ دو عورتوں کے حصّہ کے برابر ہے۔ اگر خاوند مر جائے اور اس کا کوئی بچہ نہ ہو تو بیوہ کو ترکہ کا ¼ ملیگا۔ لیکن اگر بیوی مر جائے اور اس کا کوئی بچہ نہ ہو تو خاوند کو ترکہ کا ½ ملیگا (نساء رکوع ۲) یہ

فرق اس لئے ہے کہ مرد کو مہر ادا کرنا پڑتا ہے۔ فرمایا۔ وَاٰتُوا
النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (نساء رکوع ۱) اور عورتوں کو ان
کے مہر خوشی سے دیدیا کرو۔ اور وہ گھر کے تمام اخراجات کا بھی
ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور عورت اپنے میراث کے حصے کے علاوہ
اپنے خاوند سے مہر (جیسے روپیوں میں کچھ اسی قسم کا donatio
propter nuptias ہوا کرتا تھا) بھی وصول کرتی ہے
اور پھر گھر کے اخراجات اس کے ذمہ نہیں ہوتے۔ پس یہ واضح
ہے کہ بحیثیت مجموعی عورت کو زیادہ فائدہ رہتا ہے۔

۱۲- عورت غیر محرم مرد سے مصافحہ نہیں کر سکتی۔ (ابن ماجہ اور نسائی)
حتیٰ کہ بیعت کے وقت بھی حضور عورتوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں
نہیں لیتے تھے۔ (بخاری مسلم۔ باب بیعت النساء) پھر فرمایا۔

قال النبی صلعم من مس کف امرأة لیس
منها سبیل وُضع علی کفه جمرة یوم
القیامة (تکملہ فتح القدیر)

یعنی جو شخص کسی ایسی عورت کا ہاتھ چھوئے گا جس کے
ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو اس کی ہتھیلی پر قیامت
کے دن انگارا رکھا جائے گا۔

شیعوں کے نزدیک بھی عام مردوں اور عورتوں کا مصافحہ جائز
نہیں۔ ان کی کتاب فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے:-

ھل یصافح الرجل المرأۃ لیست بذی محرم قال لا إلا من وراء الثوب۔

اس سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لمس بھی صنفی کشش کا ایک ذریعہ ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف ہیلتھ جلد ۴ میں لکھا ہے:۔

The moment a man touches a woman, she feels, and shocked feels, individual and personal response that is indicative of the process of sexual selection. If his touch is repulsive she is not for him nor he for her.
(P. 1531)

۱۳۔ کوئی عورت کسی غیر محرم مرد سے تخلیہ میں نہ ملے۔ بخاری، مسلم اور ترمذی میں ہے لا یخلون رجل بامرأۃ الا و معھا ذو محرم۔

شیعوں کی کتاب فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ پر لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی بیعت لی اور اسمیں اقرار لیا و لا یقعدنّ مع الرجال فی الخلاء۔

مغربی تہذیب میں بے شک ہر طرح کی آزادی ہے اور کورٹ شپ کا بہانہ بھی موجود ہے۔ لیکن پھر بھی ایسے شرفا تلاش کرنے پر مل جاتے ہیں جو ایک نوجوان عورت کا غیر مرد کے ساتھ تخلیہ میں زیادہ ملنا اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ قانونی لحاظ سے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہوٹلوں میں تخلیہ کرنا قریباً قریباً

زنا کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ چاہے زنا وہاں معیوب نہ سمجھا جائے مگر طلاق حاصل کرنے کی غرض سے چونکہ عموماً زنا ثابت کرنا پڑتا ہے اس لئے لوگ ہوٹل میں چلے جاتے ہیں اور مرد عورت کا الگ کمرہ میں رات کے وقت وہاں تخلیہ کرنا زنا کا ثبوت سمجھا جاتا ہے۔

۱۴۔ عورت کو بادشاہ یا حاکم نہیں بنانا چاہیئے۔ عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال لقد نفعنی اللہ بکلمۃ سمعتہا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل فاقاتل معہم قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اھل فارس قد ملکوا علیہم بنت کسریٰ قال لن یُفلح قوم ولّوا امرھم اِمرأۃً۔ کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنی ملکہ بنا لیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جنہوں نے اپنی حکومت کسی عورت کے سپرد کر دی[1]۔ (بخاری)

---

[1] یہ عورت غالباً کسریٰ یعنی خسرو پرویز کی بڑی لڑکی تھی جس کا نام بوران یا پوران دخت تھا جو AD ۶۳۰-۶۳۱ میں کچھ مہینوں کے لئے ملکہ بنی تھی۔ بعد پھر کہتے ہیں کہ قتل ہوگئی۔ اور اس کے تھوڑا عرصہ بعد ساسانیوں کی حکومت بالکل ہی مٹ گئی۔

اسی طرح ترمذی میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے شہزادے خراب ہو جائیں اور امیر لوگ کمینہ ہوں۔ اور عورتیں حاکم ہوں تو زمین کی سطح سے قبر بہتر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن الفاظ سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں جبکہ جمہوری طرزِ حکومت رائج ہے اور مجلس آئین ساز اپنے ممبروں میں سے وزراء اور صدر کا بھی انتخاب کرتی ہے۔ عورتوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مجلس آئین ساز کا باقاعدہ ممبر بنیں۔ خواہ ان کی نشست مخلوط ہو یا غیر مخلوط۔ ہماری طرزِ حکومت مغربی سانچہ میں ڈھل رہی ہے۔ جس میں ایک پارلیمنٹ ہوتی ہے۔ اور وہی آخری اختیار رکھتی ہے۔ اس کے متعلق Mr. G. B. Adams اپنی کتاب Constitutional History of England مطبوعہ لندن میں لکھتے ہیں:۔

"As professor Dicey has said in his Law of the constitution: "in a legal point of view parliament is neither the agent of the electors nor in any sense a trustee for its constituents. It is legally the sovereign legislative power of the state. Mr. Dicey did, however, consent to a distinction between 'legal and practical sovereignity)

the practical sovereignity residing in the electors. The true test of course is to discover in a final conflict of authority which of the two must yield to the other. Of that there can be no doubt."

Dicey اپنی کتاب میں De Lolme کے مندرجہ ذیل الفاظ نقل کرتا ہے

"It is a fundamental principal with English lawyers that parliament can do everything but make a woman man, and a man a woman."

اس سے واضح ہے کہ پارلیمنٹ کو اور ووٹروں کو sovereignity حاصل ہے۔ پس اس کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے ماتحت عورت کو ووٹر بنانا یا پارلیمنٹ کا ممبر بنانا جائز نہیں ہو سکتا۔

اگر پارلیمنٹ صرف ایک مجلس شوریٰ ہو اور اس کے ممبروں کی پوزیشن نیابت کی تصوّر کی جائے اور فیصلہ بادشاہ یا امامِ وقت کرے تو اسلامی اصطلاح میں غالباً یہ سمجھا جائے گا کہ مجلس شوریٰ کا ممبر ایک وکیل ہے۔ ایک عورت نکاح کے معاملہ میں دوسری عورت کی وکیل نہیں بن سکتی۔ لیکن باقی امور میں عورتیں اسلامی تعلیم کے مطابق اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کسی عورت کو بھی

مقرر کر سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے ایسی مجلس شوریٰ کے ممبر کے انتخاب میں عورتیں ووٹ دے سکتی ہیں اور ممبر بن بھی سکتی ہیں۔ عورتوں کو یقیناً حقِ نمائندگی حاصل ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں سے بھی مشورہ کیا اور عورتوں سے بھی (ام سلمہؓ) باقی رہا یہ کہ کس طریق سے مشورہ لینا چاہیئے۔ یہ نہ مردوں کے متعلق بتایا ہے نہ عورتوں کے متعلق۔ زمانہ کے حالات اور ضرورت کے مطابق امام وقت جس طرح مناسب سمجھے مشورہ لے سکتا ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ عورتوں کے خیالات کی صحیح ترجمانی عورت ہی کر سکتی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ آجکل مغربی طرز کی مجالس آئین ساز کے اجلاسات میں پردہ کے حکم کی وجہ سے عام حالات میں عورت مرد ممبروں کی نشست مخلوط نہیں ہو سکتی اور نہ مردوں میں وہ تقریریں کر سکتی ہیں کیونکہ ہر دہ آواز بھی ہے حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کے شہید ہو جانے پر مجبور ہو کر بصرہ جا کر تقریر کی مگر فتح البیان میں لکھا ہے کہ جب وہ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کی آیت پڑھتی تھیں تو بہت روتی تھیں۔ لکھا ہے

بکت حتی تبل خمارھا تتذکر خروجھا ایام الجمل تطلب بدم العثمانؓ

اپنے گھروں سے عورتیں زیادہ دیر تک اپنے خاوندوں کی اجازت کے بغیر باہر رہ بھی نہیں سکتیں۔ کیونکہ اس طرح

ان کے گھریلو فرائض پورے طور پر ادا نہ ہو سکیں گے۔ علاوہ ازیں عام امور و مسائل میں جو خالص عورتوں سے متعلق نہیں۔ عورتوں کی رائے اُن کی شہادت کی طرح غالباً مردوں کے برابر وزن بھی نہیں رکھتی۔

اس لئے دراصل ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ عورتوں کا ایک الگ بورڈ ہو جسے عورتیں بے شک انتخاب کریں۔ اور اس بورڈ سے پارلیمنٹ یا مجلس شوریٰ مشورہ لے لیا کرے۔ مشورہ کرنا یقیناً ضروری اور مفید ہے۔ اور اسلامی تاریخ سے ثابت ہے کہ عورتوں سے مشورہ کیا جاتا رہا ہے۔ اس مشورہ پر پارلیمنٹ یا مجلسِ شوریٰ غور کرے اور اسے مناسب اہمیت بھی دے۔ لیکن عورتیں خود پارلیمنٹ یا مجلس شوریٰ کی ممبر نہ ہوں۔ عورتوں کا سیاسیات میں اس سے زیادہ عملی حصہ لینا ان کی گھریلو ذمہ داریوں اور دوسرے امور میں رخنہ پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔

تاریخِ عالم کے مطالعہ سے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات کی تصدیق ہوتی ہے۔ مرد بادشاہوں کے مقابلہ میں عورتوں کی بادشاہت شاذ و نادر کا حکم رکھتی ہے۔ اور جہاں حکومت میں عورتوں کا دخل زیادہ ہوا ہے وہاں نتائج اچھے نہیں نکلے۔ اس زمانہ میں جبکہ رومانیوں کی عورتیں پردہ میں

رہا کرتی تھیں اس قوم نے ہر فن اور جملہ کمالات میں بے نظیر ترقیاں کیں ...... لیکن اس مرتبہ پر پہنچنے کے بعد ان میں عیش پرستی اور کھیل تفریح کا شوق پیدا ہوا جس کے ضمن میں انھوں نے اپنی عورتوں کو پردہ کی قید سے آزادی بخشی تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ لہو ولعب اور سیر و تفریح کی مجلسوں، دنگلوں اور اکھاڑوں میں شریک ہوں ...... آخر عورتوں کی حکومت اس قدر قوی ہوئی کہ جو نامور مرد تدبیر ملک داری اور انتظام سلطنت کے لئے پارلیمنٹ کی سینٹ کی مجلس میں ممبر منتخب ہوا کرتے تھے وہ بھی عورتوں کے ووٹ حاصل کرنے سے مقرر ہوئے اور ان کے معمولی اشاروں پر اپنے عہدوں سے معزول کر دیئے جاتے۔ پس یہ بات ہوتے ہی رومانی حکومت کی بربادی شروع ہو گئی اور اس پر ایسی تباہی آئی کہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس بات کو دیکھ کر حیرت زدہ اور مبہوت ہو جاتا ہے۔ کہ رومانی حکومت کے اس شاندار قصر اور مستحکم عمارت کی انہیں عورت کے ہاتھوں نے کس طرح ایک ایک اینٹ اکھیڑ کر رکھدی اور اس کی ساری عظمت و متانت خاک میں ملا دی۔" (مسلمان عورت ص۱۴۸-۱۴۷)

۱۵ عورتوں کے لئے پردہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ود

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ

فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ
بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ
اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ
غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ
لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ
بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ
وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ نور رکوع ۴)

(ترجمہ) اور کہہ دو مومن عورتوں کو وہ اپنی آنکھوں، نگاہوں کو نیچا رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں[1] کی حفاظت کریں۔ اور وہ اپنی زینت نہ ظاہر کریں سوا اُس زینت کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے۔ اور چاہیئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں اُن سینوں پر ڈال لیا کریں اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی زینت سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپ دادا کے یا اپنے خاوندوں کے باپ دادوں کے یا اپنے

[1] لفظ فروج میں "آلات شہوت اور کان اور ناک اور منہ سب داخل ہیں" (تریاق القلوب صفحہ ۲)

بیٹوں کے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اُن کے جن پر اُن کے داہنے ہاتھ مالک ہیں۔ یا اُن خادموں کے جو مردوں میں سے صاحب حاجت نہیں ہیں۔ یا اُن بچوں کے جو ابھی عورتوں کے ننگ سے واقف نہیں ہوئے اور نہ اپنے پاؤں اس طرح مار کر چلیں کہ اپنی زینت جو وہ چھپا رہی ہیں وہ ظاہر ہو جائے اور اللہ کی طرف سب کے سب جھکو اے مومنو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

پھر فرمایا۔ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى

(احزاب رکوع ۴)

(ترجمہ) اے نبی کی عورتو! تم دوسری عورتوں میں سے کسی کی مانند

---

(1) "She showed or displayed her finery or ornaments and beauties of person or form or countenance to men or to strangers or men distantly related to her or she showed her face: or she showed the beauties of her neck or face" (Lane)

نہیں ہو اگر تم تقویٰ کرو۔ پس تم بات کرتے وقت نرم نہ ہوا کرو کہ
ایسا شخص طمع کرنے لگ جاتے جس کے دل میں بیماری ہو اور تم
نیک بات کہہ دیا کرو اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہا کرو ۔ اور
بن سنور کر نہ نکلا کرو جیسے پہلے جاہلیت میں عورتیں نکلا کرتی تھیں۔

اس آیت کے نیچے تفسیر ابن کثیرؒ میں لکھا ہے ۔ ھٰذہٖ آداب
امر اللہ تعالیٰ بہا نساء النبی صلعم ونساء
الامۃ تبع لھن فی ذٰلک۔

پھر فرمایا۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ
وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ [2]

لہ تعجب ہے ابن کثیر کی اس تحریر کے موجود ہوتے ہوئے قاسم امین نے کس طرح
لکھدیا کہ "تمام فقہی مذاہب کی جتنی بھی کتابیں ہیں اور قرآن مجید کی جتنی بھی تفسیریں
ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اوپر کی آیات
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے متعلق خاص طور پر نازل ہوئی ہیں
اور ان ہی کو اللہ تعالیٰ نے حجاب کا حکم دیا ہے۔" (ص ١٥٨)

(2) "They should let down upon them a portion of their outer wrapping garments meaning they shall let down a portion of their outer wrapping garments over their faces when they go forth for their needful purposes except one eye" (Lane)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (احزاب رکوع ۸)

(ترجمہ) اے نبی! اپنی بیویوں اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو وہ اپنی اُوپر کی بڑی چادروں کے ایک حصّہ کو اپنے اُوپر لٹکا لیا کریں یہ اقرب ہے اس کے کہ وہ پہچانی جائیں اور نہ دُکھ دی جائیں اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نسآءٌ کاسیاتٌ۔ عاریاتٌ۔ مُمیلاتٌ۔ مائلاتٌ لا یدخلن الجنۃ (مسلم) یعنی۔ آخری زمانہ میں ایسی عورتیں ہونگی جو بظاہر لباس پہنیں گی مگر فی الحقیقت عریاں ہونگی۔ لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرنیوالی اور خود انکی طرف مائل ہونیوالی ہوں گی۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔

پھر فرمایا۔ المرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا یعنی زانیۃ (ترمذی) یعنی۔ عورت خوشبو لگا کر مجلس کے پاس سے گذرے گی اور وہ فاحشہ ہوگی۔

شامّہ کی حس بھی صنفی کشش کا باعث ہوتی ہے اور بعض خوشبو کی اقسام aphrodisia ہوتی ہیں۔ فروج کی حفاظت اسلام کا بڑا پکّا اصول ہے۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ مُنہ بھی فروج میں شامل ہیں۔ پاکدامنی اور عفّت کے لئے اِن سب کی حفاظت ضروری ہے۔

اِن آیات اور احکامات میں جو پابندیاں بیان کی گئی ہیں وہ

سب واضح ہیں۔ لیکن ایک ایسی چیز ہے جس کو صاف کرنا ضروری ہے۔
سید امیر علی صاحب جن کی اپنی بیوی ایک یورپین لیڈی تھی اپنی کتاب
The Spirit of Islam میں لکھتے ہیں:۔

"اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کئی باتیں مسلمانوں نے
زمانۂ جاہلیت کی مستعار لے لیں جو اب تک ٹھیا نا بقلیا چلا آتا ہے۔
یہ باتیں مسلمانوں کی ترقی کو روکنے کا موجب ہو جاتی رہی ہیں۔ ان
میں سے ایک پردہ کا طریق ہے۔"

بعض لوگ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے الفاظ سے استدلال
کرتے ہیں کہ ... ت کے لیے چہرہ کا پردہ نہیں ہے۔ مولوی محمد علی صاحب
کے نزدیک اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی استثناء کے ماتحت عورت اپنا چہرہ

CHAPTER ۲ نمبر

اور ہاتھ ننگے رکھ سکتی ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے کے بغیر عورت کسی قسم کے Business میں حصہ نہیں لے سکتی۔

اِس میں شک نہیں کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے استثناء میں بعض لوگوں نے چہرہ کو شامل کیا ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی نے بھی یہ Business والی دلیل نہیں دی جو مولوی محمد علی صاحب نے دی ہے۔ Business میں حصہ لینا ہرگز عقلاً و شرعاً تمام عورتوں کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ اگر یہ فرض ہوتا اور اس فرض کی ادائیگی کے لئے چہرہ کھولنا ضروری ہوتا تو پھر بے شک یہ کہا جا سکتا تھا کہ چہرہ ننگا رکھا جائے۔ بلکہ میں کہوں گا اگر Business عورتوں پر فرض ہے تو یورپ کی طرح نوجوان مسلمان عورتوں کو چاہیئے کہ بن سنور کر دکانوں کے Counter سنبھالا کریں۔ لیکن یہ ہرگز فرض نہیں ہے اسلئے مولوی صاحب کی یہ دلیل سراسر باطل ہے۔

قاسم امین صاحب جج ہائی کورٹ مصر اپنی کتاب "تحریر المرأۃ" میں لکھتے ہیں:-

"تمام ائمہ کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ چہرہ اور ہاتھ وہ اعضاء ہیں جن کو اِس آیت (اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) میں مستثنےٰ کیا گیا ہے۔" (دیکھو مسلمان عورتوں کی آزادی مطبوعہ لاہور۔ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴۲)

صفحہ ۱۵۱ پر لکھا ہے:-

"اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورت کو اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنے کی اجازت دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم اتنا صاف اور واضح ہے کہ جس شخص میں ذرا بھی عقل ہوگی اس کے لئے اس کا سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں"

اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہرگز ایسا کوئی حکم اور ایسی کوئی صراحت موجود نہیں۔ ہاں کچھ لوگوں نے بعض الفاظ سے استدلال اس طرح بے شک کیا ہے[1]۔ مگر تعجب ہے کہ فاضل جج نے یہ کس طرح لکھ دیا کہ تمام ائمہ ایسا کہتے ہیں حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ نواب صدیق حسن خاں اپنی کتاب "حسن الاسوۃ" (مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۰۱ھ ص۹۲) میں لکھتے ہیں:-

"واختلف الناس فی ظاهر هذه الزينة ما هو۔ فقيل هو الثياب وقيل الوجه وقيل الوجه والكفان وقيل هو الخاتم والسوار والكحل

---

[1] بحر الرائق ص۱۹۱ میں ہے۔ ولان المرأة لا بد لها من الخروج للمعاملة مع الاجانب فلابد لها من ابداء الوجه۔ اسی طرح تکملہ فتح القدیر (جزء ۸ ص۹۹) میں لکھا ہے کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر میں ہے۔ قال علی وابن عباس رضی ما ظهر منها الكحل والخاتم والمراد موضعهما وهو الوجه والكف الخ۔ مگر ہمارے نزدیک یہ استدلال قطعاً درست نہیں کیونکہ کحل کا موضع آنکھ ہے چہرہ نہیں۔

والخضاب فی الکف وقیل الجلباب والخمار و نحوھما"

(ترجمہ) لوگوں نے زینت کے اظہار کے متعلق اختلاف کیا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس سے مراد کپڑے ہیں۔ بعض کہتے ہیں چہرہ مراد ہے۔ بعض کے نزدیک چہرہ اور کف دونوں مراد ہیں۔ بعض نے انگوٹھی، لنگن، سرمہ، خضاب جو ہتھیلی پر لگا ہوا ہو، مراد لئے ہیں۔ بعض نے چادر اور اوڑھنی وغیرہ مراد لی ہے۔

"بدایۃ المجتہد" (مطبوعہ قاہرہ ۱۹۲۸ء جزء اول ص۱۱۱) میں لکھا ہے:۔

"وذھب ابوبکر بن عبد الرحمٰن و احمد الی ان المرأۃ کلھا عورۃ"

ترجمہ:۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور احمد کا یہ مذہب ہے کہ عورت کا تمام وجود قابلِ پردہ ہے۔

ابن جریر میں صاف طور پر لکھا ہوا موجود ہے کہ ابن مسعود، عبداللہ، ابراہیم اور حسن اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا کے معنی چہرہ اور ہاتھوں کے نہیں کرتے بلکہ کپڑوں وغیرہ کے کرتے ہیں۔ روح المعانی میں اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا کے معنی اس طرح کئے گئے ہیں:۔

"ای الا ما جرت العادۃ والجبلۃ علی ظھورہ والاصل فیہ الظھور کالخاتم والفتخۃ والکحل و

الخضاب فلا مواخذة فی ابدائہ للاجانب " یعنی سوائے ایسی چیزوں کے جن کا اظہار عادتاً اور طبعاً ہے اور ان کا اظہار رنگ نہیں سکتا۔ جیسے انگوٹھی ہے، چھلہ ہے، سرمہ اور خضاب ہے۔ غیر محرموں کے لئے ان چیزوں کے اظہار پر کوئی مواخذہ نہیں۔ یہاں چہرہ کا کوئی لفظ نہیں۔

تفسیر فتح البیان میں ہے:۔

"قال ابن عطیۃ ان المرأۃ لا تبدی شیئاً من الزینۃ وتخفی کل شیٍٔ من زینتھا ووقع الاستثناء فیما یظھر منھا بحکم الضرورۃ ولا یخفی علیك ان ظاھر النظم القرآنی النھی عن ابداء الزینۃ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا کالجلباب والخمار"

ترجمہ:۔ ابن عطیہ فرماتے ہیں۔ عورت کو اپنی زینت کی کوئی چیز ظاہر نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ہر زینت والی چیز کو چھپانا چاہیئے۔ اور اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا سے جو استثناء کیا گیا ہے تو وہ ضرورت کے لحاظ سے ہے۔ اور اے مخاطب! تجھ پر یہ چیز مخفی نہیں کہ قرآن کریم کے منشاء کے مطابق اصل حکم زینت کے اظہار کی ممانعت ہے۔ سوائے اس کے کہ جو خود بخود ظاہر ہو جائے۔ جیسے چادر اور اوڑھنی۔

تفسیر روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ شافعیؒ یہ کہتے ہیں:۔

"ومذهب الشافعیؒ کمافی الزواجران الوجه والکفّین ظهرهما و بطنهما الی الکوعین عورة فی النظر من المرأة وللامة علی الاصح وان کانا لیسا عورة من الحرة فی الصلاة۔"

یعنی۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں اور اُن کا اُوپر کا حصہ اور اندرونی حصہ عورت کے لئے (خواہ وہ لونڈی ہی کیوں نہ ہو۔) پردہ ہی شامل ہیں۔ اگرچہ نماز میں آزاد عورت کے لئے یہ دونوں چیزیں (یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں) قابلِ پردہ نہیں۔

پھر وہیں لکھا ہے:۔

"ویجوز ان یکون الاستثناء فی قوله تعالیٰ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا من الحکم الثابت بطریق الاشارة وهو المؤاخذة فی دار الجزاء ویکون المعنی انّ ما ظهر منها من غیر اظهار کان کشفته الریح مثلاً فهنّ غیر مؤاخذات به فی دار الجزاء وفی حکم ذٰلك ما لزم اظهاره لنحو تحمل شهادة ومعالجة طبیب۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کے واضح حکم سے جو اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کہکر بطریق اشارہ استثناد کیا گیا ہے تو اِس سے مراد یہ ہے کہ جو اجزاء مجبوراً ظاہر ہو جائیں اُن پر قیامت کے روز مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اور اِس حکم میں عورت کا شہادت کیلئے جانا اور طبیب سے علاج کروانا شامل ہے۔

خاص حالات میں ضرورت کے ماتحت چہرہ کو ننگا کرنا اور چیز ہے اور بغیر ضرورت عام بازاروں میں اجنبیوں میں چلتے پھرتے مُنہ کھُلا رکھنا اور بات ہے۔ تفسیر بحر المحیط میں اِس بات کو بہت عمدگی سے واضح کیا گیا ہے۔ لکھا ہے:-

"واستثنی ما لا یمکن اخفاءہٗ فی بعض الحالات کالوجہ والاطراف علیٰ غیر التلذذ"

یعنی مستثنیٰ وہ چیز ہے جس کا چھپانا بعض حالات میں ممکن نہیں ہوتا مثلاً چہرہ اور اطراف[1] بشرطیکہ کسی قسم کی لذت مقصود نہ ہو۔

---

[1] اِس ضمن میں بعض دوسری اسلامی کتابوں کے حوالے بھی دیئے جاسکتے ہیں اس لئے یہاں اُن کا مختصر ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

ابن عابدین لکھتا ہے:-

"ایک عورت یا ایک مرد کے چہرہ کی طرف دیکھنا اسی صورت میں حرام ہے جبکہ شہوانیت کا شک ہو۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر

ابن جریر میں لکھا ہے :-

"فانّما قلنا اولی الاقوال فی ذٰلک بالتاویل

تفسیر ـ صفحہ ۵۹

یہ مباح ہے خواہ وہ چہرہ خوبصورت ہی کیوں نہ ہو۔"

(مسلمان عورت کی آزادی صـ ۱۴۳)

اس کے ساتھ ہی شافعی فقہ کی کتاب الروض کا حوالہ ہے جہاں یہ لکھا ہے :-

"جس وقت فتنے کا خطرہ نہ ہو تو مرد کے لیے عورت کے چہرے اور ہاتھوں اور عورت کے لیے مرد کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے۔"

اگلے صفحہ پر عثمان بن علی زیلعی کی کتاب کنز الدقائق کی شرح تبیین الحقائق کا ایک حوالہ ہے جس میں لکھا ہے :-

"اگر عورت کا چہرہ اور اس کے ہاتھ واقعی ستر کے حکم میں داخل ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی احرام کی حالت میں انکو سلے ہوئے کپڑے سے ڈھانکنا حرام قرار نہ دیتے۔"

بہ ظاہر ہے کہ چہرہ جلباب یا احرام کی چادر سے ڈھانکا جا سکتا ہے۔ اسکے لیے سِلا ہوا کپڑا ہونا ضروری نہیں۔ فاطمہؓ بنت منذر کہتی ہیں کہ حالت احرام میں ہم چہروں کو چھپایا کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں اگر یہ حکم ہے تو ایامِ حج کیلئے ہوگا۔ ساری عمر کے لئے نہیں ہو سکتا۔

پہلے دو حوالوں سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ شہوانیت کا اگر شک نہ ہو یا

لاجماع الجميع على انّ كلّ مصلّ يستر عورته
فى صلاته وانّ المرأة ان تكشف وجهها وكفّها

فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو چہرہ کا دیکھنا جائز ہے۔ اصولی رنگ میں اگر یہ مان بھی لیا جائے تو سوال یہ باقی رہتا ہے کہ دنیا میں آجکل یا کسی زمانہ میں ہر شخص کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں شہوانیت نہیں پائی جاتی۔ یا چہرہ دیکھنے میں کسی قسم کا فتنہ کا امکان نہیں ہے مگذشتہ زمانوں کے متعلق تو مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے حالات دیکھنے سے کوئی ایسا زمانہ نظر نہیں آتا اور آجکل جو مغربی دنیا اور مغرب زدہ ممالک کا حال ہے وہ اتنا بھیانک ہے کہ کوئی شریف انسان اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ قاسم امین صاحب تو مغربی تہذیب کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ اپنی کتاب کے صـ۱۷ پر یہاں تک لکھ مارا ہے کہ :-

”جو لوگ امریکہ کے حالات کا علم رکھتے ہیں اُن کا کہنا یہ ہے کہ وہاں کی عورتیں اور ملکوں کی عورتوں سے اپنی عفت کا زیادہ خیال رکھنے والی ہیں۔“

لیکن مترجم کو اِس جگہ خود شرم آگئی ہے اور وہ اُوپر کی عبارت کے نیچے یہ نوٹ دینے پر مجبور ہو گئے ہیں :-

”یہ بات چالیس پچاس سال پہلے جب کہ یہ کتاب لکھی گئی ممکن ہے صحیح ہو لیکن اِس زمانہ میں امریکی عورتوں کی حالت اس کے بالکل برعکس ہے۔“

فی صلاتہا"

کہ اِلّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا کے استثناء میں ابن جریر کے نزدیک

تنقید حصہ ششم ص۲۱

مصر کے متعلق تو خود سنہ ۱۹۰۲ء میں بھی فاضل نزیج صاحب کو شبہ پیدا ہو چکا تھا۔ کیونکہ لکھتے ہیں :-

"اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارے ہاں اخلاق میں کچھ کچھ خرابی پیدا ہونی شروع ہوگئی ہے" (ص۱۹۱)

اس کے نیچے بھی مترجم صاحب نے عذر پیش کیا ہے۔ اُنکا نوٹ ہے :-

"ان کی وجہ سے یورپی زندگی کے تمام مظاہر یعنی عورتوں کی بے پردگی، تھیٹر، موسیقی گاہیں اور شراب خانے ملک کے ہر حصے میں نظر آنے لگے ہیں اور اس طرح مصر پر یورپ کا سیاسی اور تمدّنی تسلّط قائم ہوگیا"

ترکی اور ایران کا حال جو بتایا جاتا ہے وہ اِس سے بدتر ہے۔ اِن حالات کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں شہوانیت یا فتنہ کا خطرہ نہیں۔

علاوہ ازیں فقہ کی مستند کتابوں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ عورتوں کے خوبصورت چہروں کو دیکھنا یا اُن کا کھلے مُنہ پھرنا جائز ہے قطعاً غلط ہے۔ خواہ ایسا نتیجہ نکالنے والا کوئی عالم یا امام ہی کہلاتا ہو۔ اوّل تو بغیر ضرورت کے کوئی کام کرنا قرآنی اصطلاح میں لغو کہلاتا ہے اور عام

چہرہ اور ہاتھ اِس وجہ سے مُراد لئے گئے ہیں کہ نماز میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ ستر شمار نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ نماز یا حج میں عورتوں کے ستر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲

مومنوں کی شان یہ ہے کہ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ہے۔ ہمیں قرآن کریم میں صریح حکم ہے کہ مرد اور عورت غضِّ بصر کریں اور کوئی شخص اِس حکم کا انکار نہیں کر سکتا۔ سو اس واضح حکم کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ اور وہ بھی بلا ضرورت صریح بددیانتی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جن فقہا نے اِس قسم کے الفاظ

اپنے مُنہ سے نکالے کہ خاص حالات میں ضرورت کے وقت عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہو سکتا ہے تو ان کے وہم میں بھی عورتوں کی وہ آزادی نہ ہوگی جو آجکل مراد لی جاتی ہے۔ ابن عابدین کا جو حوالہ اُوپر پیش کیا گیا ہے اُس میں صاف طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ "ایک نوجوان عورت کیلئے چہرہ کھُلا رکھنے کی ممانعت ہے" اور کتاب الروض والے نے بھی صرف یہی کہا ہے کہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو دیکھنا جائز ہے۔

اب مَیں بعض فقہا کے اپنے الفاظ پیش کرتا ہوں۔ فتاویٰ درالمختار فی شرح تنویر الابصار (مطبع البطی فی بندر ہوگلی ۱۲۶۳ھ صفحہ ۴۲) میں لکھا ہے :-

"فحلّ النظر مقيد بعدم الشهوة والّا فحرام - هٰذا فى زمانهم - امّا فى زماننا فمنع من الشابة قهستانى وغيره"

کا مسئلہ الگ چیز ہے اور اجنبیوں میں گھروں سے باہر روزانہ چلتے پھرتے پردہ کا سوال الگ چیز ہے۔

یہ کہنا کہ اگر چہرہ اور ہاتھ کا پردہ ہو تو عورتوں کو چیز لینے دینے

نفس حاشیہ صفحہ ۹۳

یعنی عدم شہوت کی صورت میں اجنبی عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز تو ہے لیکن یہ پہلے زمانہ کے متعلق ہے۔ ہمارے زمانہ میں نوجوان عورت کا مُنہ کھُلا نہ رہنا چاہیئے۔ اس کا دیکھنا منع ہے۔

ردّ المحتار علیٰ درّ المختار علیٰ متن تنویر الابصار (جلد خامس صفحہ ۲۳۷)

میں الفاظ مقید بعدم الشہوۃ کے متعلق لکھا ہے:۔

"قال فی التاتارخانیه وفی شرح الکرخی النظر الی وجه الاجنبیّة الحرّة لیس بحرام ولکنه یکره بغیر حاجة ....."

گویا کہ شہوت کے ساتھ کسی اجنبی عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا تو حرام ہے اور عدم شہوت کی صورت میں دیکھنا حرام تو نہیں مگر بغیر ضرورت کے ایسا کرنا مکروہ ضرور ہے۔ پس یہ کوئی اجازت نہیں۔

کنز الدقائق کی فصل فی النظر واللمس میں لکھا ہے:۔

"لا ینظر الیٰ غیر وجه الحرة وکفّیها ولا ینظر من الشتهیٰ الیٰ وجهها الّا الحاکم

میں بہت تکلیف ہوگی اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ جب اس سے مراد عورتوں کا عام ستر لیا جائے جو گھر کے اپنے مردوں کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴

و الشاھد و ینظر الطبیب الیٰ موضع مرضھا۔"
یعنی کسی آزاد عورت کے مُنہ اور ہاتھوں کے سوا کسی چیز کو دیکھنے کی کسی غیر مرد کو اجازت نہیں ہے۔ اور من الشتھیٰ کو اس کے مُنہ کے دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ سوائے اسکے کہ حاکم ہو یا شاہد ہو۔ اور طبیب علاج کے لئے موضع مرض کو دیکھ سکتا ہے۔

عام طور پر من الشتھیٰ کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ شہوت کیساتھ دیکھنا حرام ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ من الشتھیٰ کا اصل مطلب یہ نہیں جو سمجھا گیا ہے۔ اگر بالشھوۃ کے لفظ ہوتے تب وہ مفہوم ہو سکتا تھا۔ من الشتھیٰ کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو اُولِی الْاِرْبَہ ہیں یا عَوْرَاتِ النِّسَآءِ سے واقف ہیں ان کے لئے اجنبی عورت کا مُنہ دیکھنا جائز نہیں۔ ہاں بچے یا حد سے زیادہ ضعیف بوڑھے مرد اور عورتیں جن میں شہوت نہ ہو یا باقی نہ رہی ہو وہ دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق بھی معنے ہو جاتے ہیں اور اعتراض بھی نہیں رہتا۔ علامہ ابن تیمیہ نے سورۃ نور کی تفسیر میں (مطبوعہ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۹۳ پر) فقہا کی رائے کا تجزیہ اس طرح لکھا ہے:۔

"امّا النظر بغیر حاجۃ الیٰ محلّ الفتنۃ فلا یجوز ..... و امّا النظر الفجأۃ فھو عفو اذا صرف بصرہ ..... قال رسول اللّٰہ صلعم

سامنے بھی رکھنا ضروری ہے - ورنہ بغیر مجبوری اجنبیوں کے ساتھ لین دین عموماً زیادہ ہوتا ہی نہیں - اور پھر ان کے متعلق یہ صاف حکم موجود ہے کہ

احرف بصرک " اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی محلِ فتنہ پر خواہ وہ چہرہ ہو یا کوئی اور زینت کی جگہ نظر ڈالنا جائز نہیں سوا اس کے کہ کوئی خاص ضرورت ہو - جیسے علاج، شہادت یا نکاح - اور اگر اچانک بغیر ارادہ کسی محلِ فتنہ پر نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے - بشرطیکہ آدمی فوراً نظر	تفہیم حاشیہ ص ۹۵

پھیر لے -

قاسم امین نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت عمرؓ اپنی گھریلو زندگی میں اس حجاب کے خلاف عمل پیرا تھے جو ازواج مطہراتؓ کا طریق تھا - ایک "واقعہ" کا بھی ذکر کیا ہے - یہ ایک روایت ہے جو طبری نے عبداللہ بن کثیر سے لی ہے - اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک غیر مرد بیٹھا ہوا تھا - اور جب کھانا آیا تو آپؓ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ "تم کیوں باہر آ کر ہمارے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوتیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں آپ کے پاس کسی آدمی کی آہٹ سن رہی ہوں - حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں ایک آدمی تو موجود ہے لیکن وہ اس شہر کا رہنے والا معلوم نہیں ہوتا ...... اس پر وہ فرمانے لگیں بے شک یہی ہوگا - لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں مردوں کے سامنے آؤں تو آپ کو چاہیئے تھا کہ جس طرح ابن جعفر اپنی بیوی کو کپڑے پہنواتے ہیں ..... آپ بھی مجھے اس طرح کے کپڑے لے دیتے " ..... اس کے بعد حضرت عمرؓ اور اس مرد نے کھانا کھا لیا - طبری کا یہ طریق ہے کہ وہ ہر قسم کی

فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (احزاب) یعنی کچھ لینا دینا ہو تو حجاب کے پیچھے سے لو۔ اس کے لئے ہاتھوں کا ننگا ہونا تو بے شک ضروری ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ

روایت لے لیتے ہیں اور ایک ہی واقعہ کے متعلق کئی روایات درج کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہی روایت کئی طرح سے بیان کی ہے۔ مگر جج صاحب نے صرف اپنے مفید مطلب الفاظ کو چن کر اسے بیان کر دیا ہے۔ اور ان پر بھی کوئی بحث نہیں کی کہ ان کا طریق استدلال معلوم ہو سکے یا یہ کہا جا سکے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ طبری کی موجودہ شکل مختلف نسخوں کو ملا کر قائم کی گئی ہے اور اس وجہ سے جگہ بہ جگہ روایات میں الفاظ کا اختلاف موجود ہے۔ اور بعض جگہ تو اس بات کا بھی نشان ہے کہ یہاں اصل نسخہ میں کئی الفاظ چھوٹ گئے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن کثیر والی روایت میں بھی دو جگہ اس قسم کا نشان لگا ہوا ہے۔ ایک تو اس فقرہ میں الینا سے پہلے ہے۔ جو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہے۔ الا تخرجین الینا تاکلین معنا من ھذا۔ یعنی تم کیوں باہر آ کر ہمارے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوتیں۔ اور دوسرا نشان اس جواب میں لگا ہوا ہے جو حضرت ام کلثوم نے دیا۔ یعنی لو اردت ان اخرج الی الرّجال اور یہاں مختلف نسخوں کے الفاظ بھی درج کئے ہوئے ہیں۔ ایک میں اس طرح ہے۔ لو اردت ان اخرج الیک الی الرجال۔ گویا دونوں جگہ اصل نسخہ میں کچھ لفظ بھی چھٹے ہوئے ہیں اور نسخوں میں الفاظ کا اختلاف بھی موجود ہے۔ فاضل جج اس روایت کے ان ہی دو فقروں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اور دونوں کے الفاظ میں فرق ہے اور اسی

مگر چہرہ کا نہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں یہ فرق کیا گیا ہے اور لکھا ہے:۔

لانّ المرأة لابدّ لها من مناولة الاشیاء بیدیها والحاجة الی کشف وجهها فی الشهادات والمحاکمات والنّکاح "

گویا کہ بغیر ضرورت کے عورت کے چہرہ کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷

نسخہ کے دونوں فقروں کے کچھ الفاظ غائب بھی ہیں۔ پس اس قسم کی غیر یقینی روایت کو پیش کر کے شریعت کے ایک اہم مسئلہ کے خلاف نتیجہ نکالنا نہ درست ہے نہ انصاف اور نہ دیانت۔

ایک اور روایت مندرجہ بالا روایت کے ساتھ ہی بلکہ اس سے پہلے طبری میں صفحہ ۲۷۰۲ پر درج ہے اور وہ مقابلۃً زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ اِس طرح شروع ہوتی ہے:۔ کتب الیّ السّری عن شعیب (جج صاحب والی کا شروع اس طرح ہے:۔ حدّثنی عبد اللّٰہ بن کثیر۔ یعنی ایک روایت زبانی آئی ہے اور ایک لکھی ہوئی یہ ظاہر ہے کہ لکھی ہوئی میں صحت زیادہ محفوظ رہ سکتی ہے) اور اس میں شہروں کے اصل نام بھی دیئے ہیں جہاں واقعہ پیش آیا۔ یعنی ایک شہر فسا ہے اور دوسرا دارابجرد (جج صاحب والی روایت میں شہروں کا کوئی نام ہی نہیں) علاوہ ازیں اس روایت کا ایک حصّہ بہت مشہور ہے اور حضرت عمرؓ کی کرامات میں شمار ہوتا ہے۔ یعنی حضرت عمرؓ کا خطبہ کے دوران میں یا ساریة الجبل کہنا اور ساریہ کا دُور دراز مقام پر اِن الفاظ کو سُن لینا۔ چنانچہ ہیکل اپنی کتاب الفاروق عمرؓ (مطبوعہ ۱۳۶۴ھ قاہرہ) کے صفحہ پر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ا

اور ضرورت کی تعیین کر دی کہ شہادت، علاج وغیرہ کے موقع پر۔ کیونکہ شہادت نکاح، علاج وغیرہ کے لئے مُنہ ننگا کرنا ایک جائز ضرورت ہے۔ اور یہ

بیہقی جلد ۷ صفحہ ۹۴

روایت کو نقل کرتا ہے۔ مگر فاضل جج قاسم امین نے اس روایت کو چھوڑ دیا ہے۔ اس روایت میں حضرت عمرؓ جن الفاظ میں اپنے گھر والوں کو مخاطب کرتے ہیں وہ یہ ہیں:۔ اَلَّا تخرجین یا هذه فتاکلین۔ کیا تم باہر نہیں نکلوگی تا تم بھی کھا لو۔ اِس روایت میں حضرت عمرؓ نے یہ نہیں فرمایا "تم کیوں باہر آکر ہمارے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوتیں"

اسی طرح فاضل جج نے جس روایت کو پیش کیا ہے اس میں بھی ام کلثوم کے الفاظ کا وہ اختلاف ظاہر نہیں کیا جو اس جگہ درج ہے۔ یعنی لو اردت ان اخرج الیك الی الرجال (اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے سامنے مردوں کے سامنے آؤں) اس سے پتہ لگتا ہے کہ ام کلثوم کے پاس اتنے کپڑے بھی نہیں تھے کہ وہ خود حضرت عمرؓ کے سامنے بھی اس وقت آسکتیں۔

اب مَیں اس روایت کو لیتا ہوں جو فاضل جج نے پیش کی ہے۔ اس روایت میں مندرجہ ذیل واقعات بیان کئے ہیں:۔

۱۔ حضرت عمرؓ کے رہائشی مکان کے اندر ان کی زوجہ محترمہ ام کلثوم کا جو کمرہ تھا اس کے دروازہ پر پردہ پڑا ہوا تھا۔

۲۔ حضرت عمرؓ کے کھانا مانگنے پر ام کلثوم خود پردہ سے باہر نہیں آئیں

ظاہر ہے کہ کسی ضرورت یا کسی مجبوری کے ماتحت چہرہ کھلا رکھنا یا جسم کا کوئی اور حصہ کسی ضرورت کے وقت دکھانا عام قاعدہ نہیں کہلا سکتا ہاں زینتِ ظاہرہ جو عام طور پر چھپائی نہ جا سکتی ہو۔ اوپر کے کپڑے عورت کا قد اور اس کی قدرتی چال ہے یا زیادہ سے زیادہ ہاتھ اور آنکھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹

اور کھانا اندر سے باہر پکڑا دیا۔

۳۔ کھانا صرف ایک چپڑی ہوئی روٹی اور نمک کی ڈلی تھی۔

۴۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم باہر کیوں نہیں آتیں اور کیوں ساتھ کھانا نہیں کھاتیں۔

۵۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر بھی ام کلثوم اپنے مکان کے اندر پردہ سے باہر نہیں آئیں اور نہ ساتھ آ کر کھانا کھایا۔

۶۔ پردہ سے باہر نہ آنے کی ام کلثوم نے وجہ پیش کی اور وہ وجہ یہ تھی کہ ان کو شبہ تھا کہ کوئی غیر مرد حضرت عمرؓ کے ساتھ بیٹھا ہے۔

۷۔ حضرت عمرؓ نے اس امر کی تصدیق کی کہ غیر مرد موجود ہے لیکن ام کلثوم کو پردہ سے باہر نکالنے کے لئے یہ وجہ پیش کی کہ وہ غیر مرد اس شہر کا رہنے والا معلوم نہیں ہوتا۔“

۸۔ باوجود اس علم کے ام کلثوم پردہ سے باہر نہیں آئیں اور دوسری وجہ یہ پیش کر دی کہ ان کے پاس ضروری کپڑے نہیں ہیں۔

۹۔ حضرت عمرؓ نے ام کلثوم کو فرمایا کہ حضرت علیؓ کی لڑکی اور عمرؓ کی بیوی کے لئے کپڑوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

ہو سکتی ہے ۔ مگر یہ کہ سارا چہرہ کھلا رکھنے کی ہر ایک عورت کو اجنبیوں میں اجازت ہے قطعاً درست نہیں ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ

۱۰ ۔ ام کلثوم پھر بھی باہر نہیں آئیں ۔

۱۱ ۔ ام کلثوم ناراض تھیں ۔

۱۲ ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ۔ اگر وہ خوش ہوتیں تو (یہ نہیں کہ وہ باہر آ کر کھانے میں شریک ہو جاتیں) وہ کھانا اچھا دیتیں ۔

یہ ہیں واقعات جو اس روایت میں بیان کئے گئے ہیں مصر کی ہائی کورٹ کے فاضل جج بغیر کسی دلیل کے ان سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت عمرؓ پردہ کے معاملہ میں اپنے گھر اس پردہ کے خلاف عمل پیرا تھے جو ازواج مطہرات کا تھا ۔ "تحریر المرأۃ" کے مترجم صاحب فرماتے ہیں کہ قاسم امین صاحب کی مصر میں اتنی عزت کی جاتی ہے کہ "ہر شخص اس کا کلمہ پڑھتا ہے ۔ العجب ! ثم العجب !!

ازواج مطہرات کا پردہ یہی تھا کہ وہ اپنے گھروں میں رہتی تھیں ۔ باہر جاتے وقت اپنا چہرہ اور زینت غیروں پر ظاہر نہیں کرتی تھیں ۔ اس روایت کی رُو سے ام کلثوم نے عین ازواج مطہرات کے نمونہ کے مطابق عمل کیا ۔ پھر معلوم نہیں قاسم امین صاحب کس طرح یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا عمل اس کے خلاف تھا ۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ کا ام کلثوم کو غیر مرد کے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دینا ظاہر کرتا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے تو میں کہوں گا کہ اس روایت کے مطابق خواہ

المرأۃ عورۃ مستورۃ ۔ المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشر
منها الشیطان (ترمذی) یعنی عورت کا سارا جسم ہی چھپانے کے لائق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱) یہ کیسی بھی غلط ہو صرف یہ ثابت ہوگا کہ اگر غیر مرد کسی باہر کے شہر کا رہنے والا ہو تو اُس کے ساتھ میزبان عورت کا کھانے میں شریک ہونا جائز ہے اور اپنے شہر کے غیر مردوں کے ساتھ اس کا کھانا کھانا جائز نہیں۔ اہلِ مصر بے شک اِس تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن اسلام میں اس قسم کی نامعقول تفریق

کوئی موجود نہیں۔ غالباً مترجم صاحب بھی اِس تفریق کے قائل نہ ہونگے۔

فاضل جج نے اپنی کتاب میں سارا زور تو اِس بات کو ثابت کرنے پر صرف کر دیا ہے کہ عورت کو اپنا چہرہ ننگا رکھنا چاہیئے لیکن ساری عمر کی ورق گردانی کے بعد روایت وہ ایسی پیش کرتے ہیں کہ چہرہ ننگا رکھنے کا اس میں ذکر تک بھی موجود نہیں۔ اگر ام کلثومؓ باہر آ بھی جائیں تو یہ کس طرح ثابت ہوگیا کہ وہ اپنا مُنہ ضرور ننگا رکھتیں۔ چہرہ چھپا کر بھی وہ ساتھ کھانا کھا سکتی تھیں۔ خود روایت سے ظاہر ہے کہ کھانا اچھا اور کافی نہ تھا اور ناراضگی کی گفتگو ہوئی ہے۔ پردہ کا سوال ہی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی مراد یہ طنز بھی ہو سکتی ہے کہ اوّل تو تم نے کھانا کم بھیجا ہے پھر تم نے بھی کھانا ہو تو تم بھی آ جاؤ۔ اِدھر ام کلثوم کی مُراد ناراضگی کے جواب کی صورت میں یہ ہو سکتی ہے کہ آپ مجھے عام ستر کے ڈھانکنے کے لئے بھی کپڑا نہیں لے کر دیتے تو باہر کس طرح آجاؤں۔ حضرت عمرؓ کی سادہ زندگی اور ان امور میں سختی اسی قسم کی تھی۔

ہے کیونکہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔
لیکن اگر اس کا چہرہ کھلا ہو تو پھر جس غرض کے ماتحت زینت کے چھپانے کا

تیسرا حاشیہ ص ۴۷

طبری نہ کوئی حدیث کی کتاب ہے نہ قرآن ہے نہ تفسیر۔ اس کتاب میں تو واقدی کی باتیں بھی طبری درج کر دیتا ہے جو مشہور کذاب ہے۔ اور اس لئے واقدی یورپ والوں کو بہت عزیز ہے۔ بلاذری طبری سے کچھ پہلے زمانہ کا ہے۔ وہ اس قسم کی کوئی بات بیان نہیں کرتا۔ پھر ایک روایت میں طبری کہتا ہے کہ سلمہ بن قیس اس مہم کا افسر اعلیٰ تھا۔ اور دوسری میں کہتا ہے کہ ساریہ بن زنیم تھا۔ پھر طبری کہتا ہے کہ فسا اور درابجرد کے مقامات پر جنگ ہوئی۔ مگر بلاذری کہتا ہے کہ جنگ نہیں ہوئی۔ اور عثمان بن ابی العاص نے دونوں کو صلح کے ساتھ زیر کیا۔ میں سمجھتا ہوں طبری خود بھی اس واقعہ کا قائل نہیں ہے ورنہ اپنی تفسیر میں وہ ضرور اس کا ذکر کرتا۔

سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ مصر کے فاضل جج نے مغربی تہذیب کے گندے سیلاب میں یہ کہ حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور خلیفہ کی مطہر صاحبزادی اور حضرت عمرؓ جیسے بزرگ اور عظیم الشان خلیفہ کی شان میں گستاخی کی ہے جو ہمارے لئے اپنی ذات میں ایک اعلیٰ نمونہ ہیں اور پھر معاملہ بھی وہ جس میں حضرت عمرؓ نے حجاب کی آیات کے اترنے سے بھی پہلے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا احجب نِسَاءَكَ اور حضرت سودہؓ سے کہا تھا عرفتك یا سودۃ۔

حُکم دیا گیا ہے وہ ساری کی ساری یکدم باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ چہرہ سب سے زیادہ دلکش زینت ہے ۔

نقش حیات ص ۴۷

اِنّا للہ و اِنّا اِلیہ راجعون ۔

درحقیقت جج صاحب ذہنی تضاد میں مبتلا معلوم ہوتے ہیں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرائض ہم پر عائد کئے گئے ہیں اُن کو بغیر کسی بحث و مناقشے کے ہمیں ماننا چاہیئے ۔" (ص ۱۴۰)

اگلے صفحے پر یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :۔

"مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں ۔"

لیکن اس صریح حکم کے خلاف خود ہی اس طرح یوں بحث اور مناقشہ شروع کر دیتے ہیں ۔ لکھتے ہیں :۔

"خدا نے دُنیا کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے مشترک رکھا اور بغیر کسی تفریق کے دونوں کو اس کا مالک بنایا ۔ اگر یہ بات صحیح ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ بات واقعی صحیح ہے تو کس طرح ایک عورت کے لئے جب کہ اپنے قریبی محرم عزیزوں کے علاوہ ہر مرد کی نگاہوں کا اس پر پڑنا ممنوع ہو ۔ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے کی جو صلاحیتیں اسے دی ہیں اُن سے فائدہ اُٹھا سکے ۔ اور اس عالم میں جو مردوں اور عورتوں

چنانچہ صاحب کفایہ شارح ہدایہ لکھتے ہیں:-

"تدل انہ لا یباح النظر الی شیء من بدنہا ولان حرمۃ النظر لخوف الفتنہ- وعامۃ محاسنہا فی وجہہا فخوف الفتنۃ فی النظر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴

کے لئے مشترک بنایا گیا ہے۔ کام کرنے کے جو مواقع اسے عطا کئے گئے ہیں وہ ان سے کام لے سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کی نہ تو شریعت نے اجازت دی ہے اور نہ عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے۔" (ص ۱۳۸)

اسی طرح ص ۱۵۳ پر جج صاحب لکھتے ہیں:-

"اگر فتنے کی وجہ سے چہرہ ڈھانکنا ضروری تھا تو کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جب مردوں کو فتنے کا ڈر تھا تو ان کو برقع اوڑھنے اور اپنے چہرہ کو ڈھانکنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا۔"

لیکن وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ عورتوں کو لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ کا حکم ہے۔ اور یہ کہ وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ مگر مردوں کے لئے ایسا کوئی حکم نہیں۔ اگر فرق چاہیئے ہی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہاں کیوں فرق رکھا ہے؟ دوسری جگہ جج صاحب فرماتے ہیں:-

"ایک عورت میں اگر ان اوصاف (عورت میں عقل سلیم ہو۔ وہ گھر بار کو اچھی طرح چلا سکتی ہو۔ اسے اولاد کو صحیح تربیت دینا آتا ہو۔ وہ گھر کے آمد و خرچ کے نظام کو درست

الیٰ وجہہا اکثر منہ الیٰ سائر الاعضاء"

یعنی انہوں نے استدلال کیا ہے کہ اُس کے بدن میں سے کسی چیز کی طرف بھی دیکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ نظر کی حرمت فتنہ کے خوف کی وجہ سے ہے۔ اور اس کی عام خوبیاں اسکے چہرے میں

بقیہ حاشیہ ص۷۵

رکھ سکتی ہو۔ اور اس سلسلہ میں جو کام بھی اُسکے سپرد کیے جائیں وہ انکو سلیقہ سے کر سکے۔ ان میں سے کوئی وصف کم ہے تو میرے نزدیک اس کمی سے اس کی ذات کو اتنا ہی نقصان پہنچے گا اور اس کی وجہ سے عورت کی عزّت میں اسی قدر فرق آجائے گا جتنا خود عفّت کے جوہر سے اس کے محروم ہونے سے۔" (صہ۱۹۵)

لیکن اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (نور ع ۱)

یعنی زانیہ اور زانی کو (ہر ایک کو دونوں میں سے) سو کوڑے مارو۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرۃ پر ایمان رکھتے ہو تو اس خدائی قانون کے اجرا میں نرمی نہ کرو۔ اور چاہیئے کہ ایک گروہ مومنوں کا ان کی سزا پر حاضر ہو۔ اور یہ سزا اللہ تعالیٰ نے ان اوصاف میں سے کسی وصف کی کمی یا فقدان کی صورت میں نہیں رکھی جو جج صاحب ایک عورت میں ہونا ضروری قرار دیتے ہیں۔!!! منہ

ہیں۔ پس فتنہ کا خوف اُس کے چہرے میں اُس کے باقی بدن سے بہت زیادہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"سب سے زیادہ زینت کی چیز چہرہ ہے۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ چہرہ چھپانے کا حکم نہیں اُن سے ہم پوچھتے ہیں پھر زینت ہے کیا چیز جسے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔"

(الفضل ۱۷ جولائی ۲۸ء)

یہی وجہ ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنے کا حکم ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احدکم المرأۃ فان استطاع ان ینظر الیٰ ما یدعوہ الیٰ نکاحھا فلیفعل (ابو داؤد) یعنی جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے خطبہ کرے تو اُسے چاہیئے کہ ہو سکے تو وہ عورت کو دیکھ لے۔

اسی ضمن میں مغیرہ بن شعبہ کو آپ نے فرمایا:۔

اُنظر الیھا فانہ احریٰ ان یُؤدَمَ بینکم

(ترمذی ابواب النکاح)

یعنی۔ اسے دیکھ لے کیونکہ یہ بات زیادہ قریب لانیوالی ہے اس امر کے متعلق کہ تمہارے دونوں کے درمیان محبت اور

اتفاق پیدا ہو[۱]۔ قرآن شریف کے الفاظ مَا طَابَ لَکُمْ سے بھی یہی مُراد ہے کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا چاہیئے۔ دیکھے بغیر پسند ہو ہی نہیں سکتی۔ ہر شخص یہ خود سمجھ سکتا ہے کہ پسند کرتے وقت چہرہ دیکھنا ضروری ہے یا نہیں۔ ہماری زبان میں تو محبوب کو کہتے ہی ماہ رُو اور خوبرو ہیں۔ زشت رُو کو کوئی پسند نہیں کرتا۔

جو لوگ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے چہرہ کُھلا رکھنے کا استدلال کرتے ہیں وہ قریباً سب ایک حدیث اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں جو رُوح المعانی میں اِس طرح درج ہے:۔

"وقد اخرج ابوداؤد و ابن مردویہ والبیھقی عن عائشۃ رضی اللہ عنھا انّ اسماء بنت ابی بکر دخلت علی النّبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیھا ثیاب رقاق فاعرض عنھا وقال یا اسماء انّ المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یُریٰ منھا الّا ھٰذا و اشار الی وجھہ وکفّیہ۔"

---

[۱] باوجود ان ہدایات کے تعجّب ہے اہلِ یورپ یہ کس طرح لکھ دیتے ہیں:۔

A moslim marrying a woman whose face he had never seen was liable to grievous disappointment. (Bolus (P. 126)

یعنی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔ اسماءؓ بنت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اِس حالت میں آئیں کہ وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ آپؐ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے اسماء! جب لڑکی جوان ہو جائے تو مناسب نہیں ہے کہ اُس کے اِس اِس عضو کے سوا (آپؐ نے اپنے چہرہ اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) بدن کا کوئی اور حصہ دکھائی دے۔

صحاح ستہ میں سے یہ حدیث صرف ابوداؤد میں آئی ہے اور تفسیر ابن کثیر میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے:۔

"لکن قال ابوداؤد وابوحاتم الرازی ھو مرسل خالد بن دریک لم یسمع من عائشۃؓ واللہ اعلم۔"

یعنی خود ابوداؤد کہتے ہیں یہ جو حدیث حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ راوی نے اُن سے نہیں سُنی۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں چہرہ کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ صرف اشارہ کیا ہے اور اشارہ سے راوی کو غلطی لگ سکتی ہے۔

قرآن شریف نے دوسری جگہ سورہ احزاب میں یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ چہرہ کا پردہ ضروری ہے۔ تفسیر روح البیان میں اس آیت کے نیچے لکھا ہے:۔

"والمعنی یُغطین بہا وجوھھنّ وابدانھنّ وقت خروجھنّ من بُیوتھنّ لحاجۃ ولایخرجن مکشوفات الوجوہ والابدان"

یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی جلابیب (چادروں) سے اپنے مُنہ اور بدن چُھپا لیا کریں جس وقت وہ کسی ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر جائیں اور چہرہ اور بدن ننگا کر کے باہر نہ نکلا کریں۔

تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کے نیچے لکھا ہے:۔

"عن ابن عباس امر اللّٰہ نساء المؤمنین اذا خرجن من بُیوتھنّ فی حاجۃ ان یُغطین وجوھھنّ من فوق رؤسھنّ بالجلالیب ویُبدین عیناً واحدۃً"

ترجمہ:۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب کسی ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے سروں کے اُوپر سے اپنے چہروں کو چادروں کے ساتھ ڈھانپ لیا کریں۔ اور ایک آنکھ کھُلی رکھیں۔

کشاف میں اس آیت کے نیچے لکھا ہے:۔

"یرخینھا علیھنّ ویغطّین بہا وُجوھھنّ واعطافھنّ یقالُ اذا زل الثوب عن وجہ المرأۃ

أَدْنِي ثَوبَكِ عَلیٰ وَجهِكِ۔"

عورت کے مُنہ سے جب کپڑا کھسک جائے تو عربی زبان میں کہا جاتا ہے اَدْنِي ثَوبَكِ علیٰ وجھكِ۔ آگے چل کر کشاف میں لکھا ہے:۔

"ان ترخی المرأۃ بعض جلبابہا و فضلہ علیٰ وجہہا تتقنّع حتّٰی تتمیّز من الامۃ وعن ابن سیرین سألتُ عبیدۃ السلمانی عن ذٰلك فقال ان تقنع رداءھا فوق الحاجب ثمّ تدیرہ حتّٰی تضعہ علیٰ انفہا وعن السُّدّی ان تغطّی احدیٰ عینیہا وجبہتہا والشقّ الاٰخر الّا العین۔

ترجمہ:۔ یہ کہ عورت اپنی چادر کا بعض اور اُس کا بڑھا ہُوا حصّہ پردہ کی غرض سے اپنے مُنہ پر ڈال لے۔ یہاں تک کہ لونڈی اور اس میں امتیاز ہو جائے۔ اور ابن سیرین سے روایت ہے کہ مَیں نے عبیدہ سلمانی سے اس بارے میں پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ عورت اپنی چادر ابرو پر ڈال لے پھر اُسے پھرائے یہاں تک کہ اُسے اپنی ناک پر کرلے۔ اور سدی سے روایت ہے کہ اپنی آنکھوں میں سے ایک آنکھ اور پیشانی پر پردہ کرے۔ اور دوسری جانب بھی سوائے آنکھ کے۔

بحرِ محیط میں لکھا ہے:۔

"كان دأب الجاهلية ان تخرج الحرة والأمة مكشوفتى الوجه فى درع وخمار وكان الزناة يتعرضون اذا خرجن بالليل لقضاء حوائجهن فى النخيل والغيطان ...... فامرن ان يخالفن بزينتهن عن زى الاماء بلبس الاردية والملاحف وستر الرؤس والوجوه"

ترجمہ:۔ جاہلیت کے زمانہ میں یہ طریق تھا کہ آزاد عورتیں اور لونڈیاں قمیص اور چادریں ننگے منہ باہر نکلا کرتی تھیں۔ اور اوباش لوگ جب وہ رات کو قضاء حاجت کے لئے کھجوروں اور باغات میں جایا کرتیں تو انہیں چھیڑتے۔ اس پر مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ لونڈیوں کے لباس کے برخلاف اپنا منہ اور سر ڈھانپ کر اپنی چادروں اور لحافوں میں باہر نکلا کریں۔

روح المعانی میں عبیدۃ السلمانی، سدی، ابن عباسؓ، قتادہ، جو وغیرہ کی بھی یہی رائے درج ہے۔ تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے:۔

"امر المفسرون ليغطين وجوههن و رؤسهن الا عينا واحدة"

گویا اس آیت سے قریباً تمام مفسرین نے یہی معنے لئے ہیں کہ عورتیں اپنے چہروں کو چھپا لیں سوائے ایک آنکھ کے۔

درمنثور میں لکھا ہے :-

"اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابن عباس فی ھٰذہ الآیۃ قال امر اللہ نساء المؤمنات اذا خرجن من بیوتھن فی حاجۃ ان یغطّین وجوھھنّ من فوق رؤسھنّ بالجلابیب ویبدین عیناً واحدۃً"

یعنی یہ کہ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ سے مراد یہ ہے کہ مسلمان عورتیں اپنے چہروں اور سروں کو ڈھانپیں اور ان میں سے سوائے ایک آنکھ کے اور کسی عضو کو ظاہر نہ کریں۔

ابن جریر نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عبیدہ نے خود نقاب اوڑھ کر دکھایا اور صرف اپنی ایک آنکھ ننگی رکھی۔ اپنی ناک اور بائیں آنکھ کو چھپایا اور دائیں آنکھ کو ننگا کیا۔

اسی طرح علامہ رازی اپنی تفسیر کبیر جز ۷ صـ ۶۲۵ زیر آیت یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ لکھتے ہیں :-

"کان فی الجاھلیۃ تخرج الحرۃ والامۃ مکشوفات تتبعھن الزناۃ۔ فامر اللہ الحرائر بالتجلیب"

یعنی جاہلیت کے زمانہ میں آزاد عورتیں اور لونڈیاں ننگے منہ باہر نکلتی تھیں۔ اور اوباش لوگ اُن کے پیچھے لگ جاتے

تھے اور اب اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو نقاب اوڑھنے کا حکم دیدیا۔

اسی طرح لکھتے ہیں۔ ذٰلِکَ اَدْنٰی اَنْ یُّعْرَفْنَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی۔ کہ وہ نیک اور پاکدامن عورتیں ہیں اور ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس کے آگے لکھتے ہیں :۔

"ویمکن ان یقال المراد یعرفن انھن لا یزنین، لانّ من تستر وجھھا مع انّہ لیس بعورۃ لا یطمع منھا انّھا تکشف عورتھا فیعرفن انّھن مستورات لا یمکن طلب الزناء منھن"

یعنی ممکن ہے کہ یُعْرَفْنَ سے مُراد یہ ہو کہ وہ بدکار نہیں کیونکہ جو عورت باوجود اس کے کہ چہرہ کا ستر نہیں ہے پھر بھی اُسے چھپائے گی وہ اپنی پاکدامنی کو ثابت کرے گی۔

اسی طرح احکام القرآن لجصاص ص۲۷۲ پر مذکور ہے کہ جب آیت یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ نازل ہوئی تو انصاری عورتیں اپنے سیاہ نقاب پہن کر یوں نکلتی تھیں گویا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابوبکر کا قول نقل ہے کہ آیت مذکورہ دلالت کرتی ہے کہ اِنَّ المراۃ الشابۃ مامورۃ بستر وجھھا عن الاجنبییّن۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ ایک جوان عورت کو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ وہ اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپائے۔ بوڑھی عورتوں کے متعلق واقعی اتنی سختی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ (نور رکوع ۸)

یعنی وہ جو بیٹھ رہنے والی عورتیں ہیں اور نکاح کی اُمید نہیں رکھتیں اُن پر گناہ نہیں کہ اُتار رکھیں اپنے کپڑے بغیر نمائش او سنگار کے۔

مگر آگے یہ فرمایا ہے:۔

وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ۔ یعنی اگر وہ ایسا نہ کریں تو بہتر ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا تعامل کیا تھا؟ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے عورتوں پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اور وہ آزادی سے غیر مردوں سے ملتی اور باتیں کرلیتی تھیں سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ پر حضرت عائشہ رضؓ کا قول لکھا ہے:۔

"فکان ابوبکر و عامر ابن فھیرہ و بلال مولیا ابی بکر مع ابی بکر فی بیت واحد فاصابتہم الحمی فدخلت علیہم اعودھم و ذلک قبل ان یضرب علینا الحجاب۔"

یعنی۔ پردہ کے حکم سے پہلے میں حضرت ابوبکرؓ فہیرہؓ اور بلالؓ کی عیادت کے لئے گئی اور ان سے باتیں بھی کیں۔ وہ ایک ہی گھر میں بخار میں مبتلا تھے۔ مطلب یہ کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ہم پر پابندیاں لگ گئیں۔

بخاری کتاب الصلوٰۃ میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

لقد رأیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً علی باب حُجرتی والحبشۃ یلعبون فی المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسترنی بردائہ انظر الی لعبھم۔

یعنی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن اپنے حجرہ کے دروازہ پر دیکھا اور حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر سے چھپائے ہوئے تھے۔ اس طرح کہ میں ان کا کھیل دیکھ رہی تھی۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر سے ساری چھپی ہوئی تھیں۔ اور صرف آنکھ کھلی تھی تا کھیل نظر آتا رہے۔

درمنثور میں لکھا ہے:۔

واخرج سعید بن منصور بن مردویہ عن عائشۃ ان امرأۃ دخلت وعلیہا خمار

رقیق یشف جبینها فاخذته عائشة فشقته ثمّ قالت الا تعلمین ما انزل اللّٰہ فی سورۃ النّور فدعت لها خمارًا فکستها ایاہ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت اوڑھنی اوڑھ کر آپ کے پاس آئی۔ مگر اوڑھنی ایسی باریک تھی کہ جس سے اُس کی پیشانی صاف نظر آتی تھی۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے اس اوڑھنی کو لے کر پھاڑ دیا۔ اور فرمایا اے عورت! کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ تعالےٰ نے سورۃ نور میں کیا فرمایا ہے۔ پس اس کے لیے ایک اور اوڑھنی منگوا کر اُسے اوڑھا دی۔ اگر سارا چہرہ کھلا رکھنے کی عام اجازت تھی تو حضرت عائشہؓ کو کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ اس عورت کی اوڑھنی پھاڑ کر دوسری پہنائیں۔ صرف اس لیے کہ اس کی پیشانی نظر آتی تھی۔

کان الفضل ردیف النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فجاءت امرأۃ من خثعم فجعل الفضل ینظر الیها وتنظر الیه فجعل النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصرف وجه الفضل الی الشق الاخر (بخاری)

یعنی فضلؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت خثعم سے آئی۔ فضل اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور وہ فضل کی طرف دیکھنے لگی۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔
یہ عورت غالباً مسلمان نہ تھی اس لیئے حضورؐ نے اُسے کوئی حکم نہیں دیا فضل کو بھی حضورؐ نے اُس وقت غضِّ بصر کا حکم نہیں یاد دلایا۔ کیونکہ فضل اگر آنکھیں نیچی بھی کرتا تو اُس عورت کو فضل کا چہرہ نظر آتا رہتا۔ اسلئے حضورؐ نے فضل کا چہرہ ہی دوسری طرف کر دیا۔

پس جہاں ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ عورت مسلمان نہ ہو اور مرد ادھر اُدھر بھی نہ ہو سکتا ہو اور عورت اُس مرد کی طرف تاکنا شروع کر دے تو مرد کو اپنا چہرہ حتّی الوسع دوسری طرف کر لینا چاہیئے۔ جب مرد کے لئے یہ حکم ہے تو عورت کے لئے یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ کھُلے مُنہ باہر پھرے۔

بخاری کتاب الصلوٰۃ میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

لقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یصلّی الفجر فیشھد معہ نساء من المومنات متلفّعات فی مروطھنّ ثمّ یرجعن الی بیوتھنّ ما یعرفھنّ احدٌ۔

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھاتے تھے اور آپؐ کے ساتھ مومن عورتیں بھی نماز پڑھتی تھیں جو اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں۔ پھر وہ اپنے گھروں کو لوٹ جاتی تھیں اور اُن کو کوئی بھی نہ پہچانتا تھا۔

یہ واضح ہے کہ انسان چہرہ سے بھی پہچانا جا سکتا ہے۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ جو مومن عورتیں فجر کی نماز مسجد میں پڑھنے آتی تھیں اُن کو لوگ آتے اور واپس جاتے پہچان نہیں سکتے تھے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اُن کا چہرہ نظر نہ آتا تھا۔ خواہ اندھیرے کی وجہ سے ہو خواہ چادروں میں لپٹا ہوا ہونے کی وجہ سے ہو۔

سُنن ابوداؤد (مطبوعہ لکھنؤ مطبع اصح المطابع جزو ثانی کتاب المناسک صـ۱۸۳) میں ہے:-

حدّثنا احمد من حبشی۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان الرکبان یمرّون بنا ونحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم محرمات فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابہا من رأسہا علیٰ وجہہا فاذا جاوزونا کشفناہ۔

یعنی حضرت عائشہ رض روایت کرتی ہیں کہ عالتِ احرام میں جب ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھیں تو سوار ہمارے پاس سے گذرتے تھے۔ جب وہ ہمارے سامنے آتے تو ہم اپنے سروں پر سے اپنے دامن کو چہروں پر ڈال لیتیں اور جب وہ ہم سے گذر جاتے تو ہم چہرے کو ننگا کر دیتیں۔

مؤطا امام مالک رح میں فاطمہ رض بنت منذر رض کہتی ہیں:-

کُنّا نُخمّرُ وجوہنا ونحن مُحرِماتٍ

یعنی۔ ہم حالتِ احرام میں اپنے چہروں کو چھپایا کرتی تھیں۔
صحیح بخاری باب حدیث الافک میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

فرأی سواد انسانٍ نائم فعرفنی حین رأنی فکان رأنی قبل الحجاب فاستیقظت باسترجاعہ حین عرفنی فخمرت وجھی بجلبابی واللہ ما تکلمنا بکلمۃٍ ولا سمعت منہ کلمۃ غیر استرجاعہ۔

کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ آگے گذر گئے میں میدان میں اکیلی سوئی ہوئی رہ گئی صفوان آئے تو انہوں نے کسی سوئے ہوئے انسان کے ڈھانچے کو دیکھا اور مجھے پہچان لیا جب انہوں نے مجھے دیکھا۔ انہوں نے پردہ کے حکم سے پہلے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ مجھے جونہی پہچانا انہوں نے اِنّا لِلّٰہ پڑھا۔ اس سے میں بیدار ہوگئی۔ پس میں نے اپنی چادر کے دامن کے ساتھ اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ اور خدا کی قسم ہم نے کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی میں نے سوائے اِنّا لِلّٰہ پڑھنے کے کوئی اور کلمہ اُس کے مُنہ سے سُنا۔

اِس حدیث سے روزِ روشن کی طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ پردہ کا حُکم نازل ہونے کے بعد عورتیں اپنا مُنہ غیر مردوں کے سامنے ننگا نہیں رکھتی تھیں اور پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا جلباب کے لفظ

کو اس موقع پر استعمال کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ کا مطلب بھی یہی ہے۔

اسی اسلامی تعلیم پر مسلمانوں نے سینکڑوں سال شدت سے عمل کیا ہے۔ یورپ کے لوگ قعرِ جہالت میں پڑے تھے۔ اور مسلمان اسی اسلامی پردہ کے ساتھ اوجِ ترقی پر پہنچے۔ جہاں جہاں وہ گئے دُنیا تہذیب سے منور ہوتی چلی گئی۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جوں جوں مسلمانوں نے اپنے مذہب سے غفلت برتی وہ ذلیل سے ذلیل ہوتے چلے گئے۔ مغربی اقوام تو آجکل ایک دوسرے کی بیخ کنی میں مصروف ہیں۔ اور اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کو ایک لعنت سمجھنے لگ گئے ہیں مگر ہمارے بعض کمزور دل مغربی دجالیت سے مرعوب ہو کر اس قسم کی آواز اٹھانے کو نیکی سمجھ رہے ہیں :۔ "پردہ اب اُٹھ کر رہے گا اور دُنیا کی کوئی قوّت پاکستان کی مسلمان عورتوں کو اس راہ پہ گامزن ہونے سے نہیں روک سکتی جس پر ان سے پہلے ترکی و مصر و ایران کی مسلمان عورتیں چل چکی ہیں"۔ حالانکہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ ترکی، ایران اور مصر نے مغرب کی تقلید کر کے ابھی تک کچھ حاصل نہیں کیا۔ پاکستان کا قیام اس بات کا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ حقیقی اسلام (یعنی وہ اسلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں لائے تھے۔ نہ کہ آجکل کے مُلّاؤں کا اسلام) دُنیا میں غالب ہو کر رہے گا۔ پس کہنا یہ چاہیئے کہ ہر غیر اسلامی چیز خواہ وہ پردہ ہو یا آزادی وہ مٹ کر رہے گی۔ جس نور نے پہلے دُنیا کو روشن کیا

تھا وہی اب پھر ایک بحرِ مواج کی طرح جوش میں آیا ہوا ہے۔ اور دنیا ایک دفعہ پھر دیکھ لے گی کہ خدا جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

شکر ہے شام، عراق، عرب وغیرہ ممالک اسلامیہ میں جب مسلمان عورتیں باہر نکلتی ہیں تو اُن کا چہرہ ننگا نہیں ہوتا۔ ہمارے زمانہ اور ملک کے اکثر مسلمانوں کا طریق اور خیال بھی یہی ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی (سیرت النبیؐ حصہ اوّل مطبع معارف اعظم گڑھ طبع دوم ص۲۰۹ پر لکھتے ہیں:۔

"۵ھ سال کی تاریخ مذہبی میں سے سب اہم واقعات عورتوں کے متعلق متعدد احکام اخلاقی کا نزول ہے۔ اب تک مسلمان عورتیں عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھیں۔ اور اس قسم کے لباس اور زیور پہنتی تھیں۔ اب حکم ہوا کہ شریف عورتیں گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگٹ نکال لیا کریں جس سے منہ بھی چھپ جائے۔ آنچل سینہ پر ڈال کر چلیں۔ پاؤں جھٹک جھٹک کر نہ چلیں۔ پردہ کی اوٹ سے بولیں۔ تصنع اور بناوٹ کی بولی نہ بولیں"

بیگم بھوپال اپنی کتاب "الحجاب" میں پردہ کی سخت مؤید ہیں۔ ایک مولوی صاحب (محمد صالح) اپنی کتاب "پردہ" مطبوعہ ۱۹۳۰ء میں چہرہ کے پردہ کو ضروری قرار دیتے ہیں اور ص۵۵ پر لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیت وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ

حجاب (احزاب) کے ہوتے ہوئے عورتوں کا مردوں سے دو بدو گفتگو کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ ایک چھوٹا رسالہ کراچی سے Islamic Life انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ ایڈیٹر کا نام سید محمد جلیل لکھا ہے جو غالباً بہاری ہے۔ اس میں چہرہ کا پردہ بیان کیا گیا ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی کتاب "پردہ" میں اسی بات کے دلائل دیتے ہیں کہ منہ کا پردہ ضروری ہے۔ قاضی ریاض الدین (سوپارہ) یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:۔ "جب وہ گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے چہروں پر اپنی بڑی چادر کا حصہ لٹکا لیا کریں۔ مولانا اشرف علی صاحب "بہشتی زیور" حصہ سوم ص۵۰ پر لکھتے ہیں کہ نوجوان عورت کو اپنا منہ غیر مردوں کو نہیں دکھانا چاہیئے۔ مفتی سید احمد علی صاحب اپنی کتاب "عورت اور اسلام" (ص۶۳) میں آیت یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں:۔ "اپنے منہ پر نقاب ڈال لیا کریں"

علماء دیوبند نے تو یہاں تک فتویٰ دے دیا ہے کہ جس مرد کی بیوی پردہ نہ کرے اس کو امام نہ بنایا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جو اس زمانہ کے امام اور حکم ہیں جب اس زمانہ کی ضرورت بتا کر پوچھا گیا تو حضورؑ نے فرمایا:۔

"شرعی پردہ یہی ہے کہ چادر کو حلقہ کے طور پر کر کے اپنے سر کے بالوں کو کچھ حصہ پیشانی اور زنخدان کے ساتھ بالکل

ڈھانک لیں۔ اور ہر ایک زینت کا مقام ڈھانک لیں۔ مثلاً مُنہ پر اِرد گرد اِس طرح پر چادر ہو۔ (اِس جگہ انسان کے چہرہ کی شکل دکھا کر جن مقامات پر پردہ نہیں ہے اُن کو کھُلا رکھ کر باقی پردہ کے نیچے دکھایا گیا ہے۔) اِس قسم کے پردہ کو انگلستان کی عورتیں آسانی سے برداشت کر سکتی ہیں اور اِس طرح پر سَیر کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ آنکھیں کھُلی رہتی ہیں"

(ریویو آف ریلیجنز قادیان جنوری ۱۹۰۵ء جلد ۴ نمبر ا صٓ۱۷)

افسوس مولوی محمد علی صاحب جو ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر ہُوا کرتے تھے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیح موعود اور مہدی معہود ماننے کے اِن مسائل میں آپ کو حَکَم نہیں مانتے۔ کیونکہ مولوی صاحب نے آپ سے ۱۹۰۵ء میں یہ مسئلہ پوچھ کر ایک فیصلہ حاصل کیا مگر پھر اُسے چھُپانے کی کوشش کی۔ اوّل تو جو خاکہ مُنہ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بنا کر دکھایا تھا وہ ریویو میں شائع نہیں کیا اور اصل عبارت شائع کر دیا۔ دوسرے وہ الفاظ شائع نہیں کئے جن میں مولوی صاحب نے مسئلہ پوچھا تھا۔ تیسری بات یہ ہے کہ جن الفاظ میں آپ نے جواب دیا اور جو شرائط آپ نے بیان فرمائیں اُن کو بھی مولوی صاحب نے بعد میں اپنے انگریزی قرآن اور دوسری کتب میں کسی جگہ من و عن شائع نہیں کیا۔

مولوی صاحب نے ایک جگہ اِس بات پر بھی زور دیا ہے کہ جب

غضِّ بصر کا عورت مرد دونوں کو حکم ہے تو پھر چہرہ چھپانے کا حکم لغو بن جاتا ہے۔ اور اس سے استدلال کیا ہے کہ چہرہ کا پردہ نہیں ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ فرمانے سے کہ آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب کا سارا استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر آنکھ چھوڑ کر باقی چہرہ چھپایا جائے تو غضِّ بصر کی پھر بھی ضرورت باقی رہتی ہے۔ یعنی مطلب یہ ہوگا کہ نہ قدرتی حیا ل دیکھی جائے نہ آنکھ ملائی جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:۔

"آنکھیں اور ان کے اردگرد کا تھوڑا تھوڑا حصہ ننگا رکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا"

(الفضل ۶ر جولائی ۲۵ء)

علاوہ ازیں یہ بات بھی سوچنے کے لائق ہے کہ اگر مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک غضِّ بصر کے حکم سے چہرہ کا پردہ لغو بن جاتا ہے تو پھر یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ اور وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ دونوں احکام کیوں لغو نہیں بن جاتے۔ جب مرد نے ادھر دیکھنا ہی نہیں تو ان پابندیوں کی کیا ضرورت ہے۔ ہر ایک عورت بے شک بن سنور کر کھلے منہ جہاں چاہے جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں۔ اور اسلام کی ہرگز یہ تعلیم نہیں۔ نہ صحابہؓ کا اس قسم کا تعامل تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:۔

"حدیثوں میں صاف آتا ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں مجھے معلوم نہیں اُس کی شکل کیسی ہے۔ اس کا باپ شکل دکھلانے سے انکار کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا شادی کے لئے شکل دیکھنی جائز ہے۔ جب اس شخص نے جا کر لڑکی کے باپ سے ذکر کیا تو پھر بھی اُس نے اپنی ہتک سمجھتے ہوئے لڑکی کی شکل دکھانے سے انکار کیا۔ لڑکی اندر بات سُن رہی تھی وہ اپنا مُنہ ننگا کر کے باہر آگئی اور اُس نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مُنہ دیکھ لو تو پھر ہمیں کیا انکار ہو سکتا ہے۔ اگر ہر طرح کی عورتوں کیلئے مُنہ کُھلا رکھنا جائز ہوتا تو یہ سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اپنی ایک بیوی کے ساتھ جن کا نام صفیہ رضؓ تھا شام کے وقت گلی میں سے گزر رہے تھے۔ آپؐ نے دیکھا کہ دو آدمی سامنے سے آرہے ہیں اور آپؐ کو کسی وجہ سے شبہ پیدا ہوا کہ ان کے دل میں شاید یہ خیال ہو کہ میرے ساتھ کوئی اور عورت ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کا چہرہ ننگا کر دیا کہ دیکھ لو یہ صفیہؓ ہے۔ اگر مُنہ کُھلا رکھنے کا حکم ہوتا تو اس قسم کے خطرہ کا کوئی احتمال نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی

طرح حضرت عائشہؓ کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ جنگ صفین میں فوج کو لڑا رہی تھیں اور اُن کی ہودج کی رسیوں کو کاٹ کر گرا دیا گیا تھا تو ایک خبیث الطبع خارجی نے ان کے ہودج کا پردہ اُٹھا کر کہا تھا۔ اوہو یہ تو سُرخ و سفید رنگ کی عورت ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں مُنہ کھُلا رکھنے کا طریق رائج ہوتا تو جب حضرت عائشہؓ ہودج میں بیٹھی فوج کو لڑا رہی تھیں اس وقت وہ انہیں دیکھ چکا ہوتا اور اس کے لئے کوئی تعجّب کی بات نہ ہوتی۔ اسی طرح بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بعض طبقات کی عورتوں کے لئے مُنہ کو جس قدر ہو سکے چھپانے کا ہی حکم ہے قرآن کریم کی ایک آیت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ یعنی اپنے سر کے رومالوں کو کھینچکر اپنے سینوں تک لے آیا کریں۔ خمار کسی چادر یا دوپٹے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اُس رومال کا نام ہے جو کام کرتے وقت عورتیں سر پر رکھ لیا کرتی ہیں۔ پس اس کے یہ معنی نہیں کہ دوپٹے کی آنچل کو اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں کیونکہ خمار کی آنچل نہیں ہوتی چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ سر سے رومال کو اتنا نیچا کرو کہ وہ سینہ تک آجاوے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ سامنے سے آنے والے آدمی کو مُنہ نظر

نہ آسکے" (مصباح یکم اپریل ۳۸ء)

صاف طور پر لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسہ کے لئے شادی کی تجویز کی تو ایک عورت کو بھیجا کہ وہ جا کر دیکھ آئے لڑکی کا رنگ کیسا ہے۔ اگر اُس وقت چہرہ چھپایا نہ جاتا تھا تو پھر عورت کو بھیج کر رنگ معلوم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک عورت سے کہا۔ ام ہانی! مَیں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ چال دیکھ کر پہچان لیا ہے نہ یہ کہ شکل دیکھ کر۔ کیونکہ ایسے انسان کو جو واقف ہو یہ کہنا کہ میں نے تمہاری شکل دیکھ کر تمہیں پہچان لیا ہے کوئی خوبی کی بات نہیں ہے ...... اس قسم کے بہت سے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کھلے منہ عورتیں نہ پھرتی تھیں۔ (الفضل ۶ر جولائی ۲۸ء)

"اِلَّا مَا ظَھَرَ کے معنی ہیں وہ جو آپ ہی آپ ظاہر ہو۔ جسے کسی مجبوری کی وجہ سے چھپایا نہ جاسکے۔ خواہ یہ مجبوری بناوٹ کے لحاظ سے ہو کہ کام کرنے کے لئے کوئی حصہ ننگا رکھنا پڑے۔"

(الفضل ۱۷ر جولائی ۲۸ء)

"جو حصہ ضروریاتِ زندگی کے لئے اور ضروریاتِ مصیبت کے لئے کھولنا پڑتا ہے بشرطیکہ وہ مصیبت جائز ہو۔ اس کا کھولنا پردے کے حکم میں شامل ہی ہے۔" (مصباح یکم اپریل ۳۸ء)

ا؎ حضور اپنی کتاب احمدیت صفحہ ۱۷۳ پر فرماتے ہیں۔ ———

اِن تمام پابندیوں کو بیان کر دینے کے بعد اب مَیں اُن اعتراضات کو لوں گا جو اہلِ یورپ اِن پر کرتے ہیں۔ مگر اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے مَیں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے مضمون کا عنوان مجھے اِس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مَیں اِس بحث میں پڑوں کہ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب نے عورت کے اُوپر کس قدر سخت پابندیاں عائد کی ہیں۔ نہ یہ کہ عملاً عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور دوسرے مذاہب کے متّبعین نے کس طرح عورت کو ہمیشہ ذلیل کیا ہے۔ اسلئے مَیں یہاں مذہبی تعلیموں کا مقابلہ کر کے اسلامی تعلیم کی افضلیت نہیں ثابت کروں گا۔ نہ عیسائی مصنّفین کے اعتراضات کو الگ لوں گا بلکہ اپنی توجہ زیادہ تر اہلِ مغرب کے اعتراضات کی طرف رکھوں گا لیکن مجھے یہ حق ضرور حاصل ہے کہ مَیں اِن معترضین کے اپنے عمل کی طرف اشارہ کروں کہ وہ خود کیا کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ دیانت اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اُس چیز پر اعتراض نہ کرے جس پر وہ خود ایک لمبے عرصہ تک عمل کرتا رہا ہو۔ اور ابھی تک اُس نے اُس عمل کو ترک کر دینے کا آخری فیصلہ بھی نہ کیا ہو۔ اگر یورپ کے لوگ خود عورت کے ساتھ وہی سلوک کرتے رہے ہوں جو اسلام سکھاتا ہے بلکہ اس سے بدتر تو اُن کا کوئی حق نہیں کہ وہ اسلام پر اعتراض کریں۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ گذشتہ پچاس ساٹھ یا سو سال میں مغربی اقوام نے عورت کو بہت کچھ آزادی دے دی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ

دونوں عظیم جنگوں کے بعد عورتوں نے خود بعض پابندیوں کو چھوڑ دیا ہے لیکن قوموں کی زندگی اور اُن کے تغیرات کے لحاظ سے یہ عرصہ نہایت ہی قلیل ہے۔ پھر یورپ خود بھی ابھی آخری فیصلہ نہیں کر سکا کہ جو آزادی عورتوں کو دی گئی ہے وہ واقعی مفید ہے یا نہیں۔

درحقیقت یہ ایک عبوری زمانہ ہے اور مختلف قسموں کے تجربے ہو رہے ہیں۔ اور جیسا کہ میں ابھی دکھاؤں گا عورتوں کی ناجائز آزادی کسی ترقی کا موجب نہیں بلکہ قدم تنزل کی طرف ہے اور خود اُنکے اپنے

ڈاکٹر Viola Klein نے ایک کتاب The feminine Character ۱۹۴۶ء میں لکھی ہے اور International library of Sociology and Social reconstruction والوں کی طرف سے چھپوائی گئی ہے جس میں Harold Butler C.B., A.M. Carr. Saunders M.A. Sir Fred-Clarke M.A., A.D. Lindsay C.B.A, Master of Balliol College Oxford. جیسے یورپین علماء کام کرتے ہیں۔ اس کتاب میں Dr. Klein لکھتی ہیں:-

"Womans position at present is therefore rather ambivalent which is typical of a state of transtion." (Page 22)

لوگوں میں اس قسم کا احساس دن بدن تیز ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں حال ہی میں بعض قانونی اصلاحات ایسی کی گئی ہیں جن میں اسلام کی فتح ہوئی ہے۔ مثلاً قانون طلاق کے معاملہ میں۔

بہر حال یہ ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ اہلِ مغرب عورت کے ساتھ کیا سلوک کرتے رہے ہیں۔

لیکی کہتا ہے: "یونانی بیوی مکمل پردے میں رہتی تھی۔ اس کا کام تھا کاتنا۔ کپڑا بُننا اور کاڑھنا۔ گھر کا انتظام کرنا۔ بیمار غلاموں کی خبر گیری۔ اس کی سب سے بڑی خوبی خاوند سے وفاداری ہوتی تھی۔" (ص ۳۰۴)

ایتھنز میں (جو یونان کا دارالخلافہ اور مغربی تہذیب کا گہوارہ رہا ہے) عورتیں اپنے خاوند کے مہمانوں سے ملاقات نہیں کر سکتی تھیں۔ اور بغیر مناسب پہرہ کے گھروں سے باہر نہیں جا سکتی تھیں۔ (E.R.E. Volume X P. 735) یونان کے تمدنی مرکز میں دولہا شادی سے پہلے اپنی دلہن کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ کیونکہ عورتوں پر سخت پابندیاں عائد تھیں۔ ([illegible] جلد ہشتم صفحہ ۲۴۵) منینڈر کے ڈراموں میں ایک شخص یہ کہتا ہے کہ آزاد عورت کی بیرونی حد گلی کا دروازہ ہونا چاہیئے۔[ف] سپارٹا میں عورتوں کے کمرے علیحدہ ہوتے تھے اور وہ عام دعوتوں میں شریک نہیں ہو سکتی تھیں۔

ف " A free woman should be bounded by the street door."

روس میں عیسائیت کے آجانے کے ذرا بعد ہی Terem کا طریق مروّج ہوگیا۔ جس کی بدولت عورتیں بالکل مقید ہوگئیں۔ سولھویں صدی میں شرفاء کی بیویوں اور بیٹیوں کو اُن کے بھائی اور قریبی رشتہ دار تک بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔[۵۱]

یورپ میں ازمنہ حاضرہ تک عورتیں مقیّد رہی ہیں۔ سنہ ۱۸۵۰ء تک انگلستان میں کوئی عورت اکیلی سیر نہ کر سکتی تھی (ریلوے سفر کا تو ذکر ہی چھوڑیئے۔) اور نہ ہی کسی دوست یا رفیق کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے سکتی تھی۔ پبلک جلسہ میں تقریر کرنا عورت کے لئے ایک بھیانک عیب سمجھا جاتا تھا۔ جب سنہ ۱۸۶۹ء میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں دو عورتوں نے بھی تقریریں کیں تو اسی پارلیمنٹ میں ایک ممبر نے کہا کہ دو عورتوں نے جو ہماری پارلیمنٹ کے دو معزز ممبروں کی بیویاں ہیں جلسۂ عام میں تقریر کر کے اپنے آپکو ذلیل کر لیا ہے۔ جب سنہ ۱۸۴۴ء میں ہاؤس آف کامنز کی تعمیر ہوئی تو بڑی مشکل سے عورتوں کی ایک گیلری بنانے کی منظوری دی گئی۔

---

۵۱ Women in Soviet Russia by Halle, p. 11

Tertullian says: For a virgin of virtuous habits every public appearance with an unveiled face was equivalent to suffering a rape' (Family by M. dyer p. 229

اس کے آگے ایک جالی سی بنا دی گئی تاکہ عوام انہیں دیکھ نہ سکیں۔ صرف ۱۹۱۸ء میں آکر وہ جالی وہاں سے ہٹائی گئی۔ (The Cause
(by Ray strachy pp. 79, 118, 362

پروفیسر گلبرٹ مرے لکھتے ہیں۔ ایتھنز کے ایک عام شہری کے نزدیک یہ نہایت معیوب خیال کیا جاتا تھا کہ عورت کوئی معین کریکٹر اختیار کرے۔ یہاں تک کہ یونان کے ایک بہت بڑے فلاسفر ارسطو کا بھی یہی خیال تھا کہ غلاموں، کاریگروں اور تاجروں کی طرح عورت کو ایک ماتحت مقام پر رہنا چاہیئے۔ ان کا ارادہ کمزور ہوتا ہے۔ ان کی نیکی مردوں جیسی کامل نہیں ہوتی۔ اور ان میں احتیاج کا پہلو رہتا ہے۔ اور ان کی قوتِ فہم عموماً کسی نتیجہ پہ نہیں پہنچتی۔ مرد فطری طور پہ افضل ہے اور عورت ادنیٰ۔ مرد حاکم ہے اور عورت محکوم۔ اور تمام بنی نوع انسان میں یہی قانونِ احتیاج رائج ہے۔[1]

رومن قانون کے مطابق جہاں تک اس کی قانونی حیثیت کا تعلق تھا بیوی اپنے خاوند کی بیٹی سمجھی جاتی تھی۔ ایک لمبے عرصہ تک اسے یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ وصیت نامہ لکھ سکے یا گواہ بن سکے۔

Roman Private اپنی کتاب R. W. Leage Law مطبوعہ ۱۹۰۹ء لندن کے ص ۲۳۷ پر لکھتا ہے:-

---

[1] Politica, 1254, b 1260, a.

"Justinian tells us that neither women, children under puberty, slave, dumb and deaf persons, madmen ..... were competent witnesses."

Edward Gibbon اپنی مشہور کتاب Decline & Fall of the Roman Empire میں خاوند اور بیوی کے تعلق کے متعلق لکھتا ہے :-

"By his judgment or caprice her behaviour was approved, censured, or chastised; he exercised the jurisdiction of life and death; and it was allowed that, in the cases of adultery or drunkenness, the sentence might be properly inflicted. She acquired and inherited for the sole profit of her Lord; and so clearly was woman

defined, not as a person, but as a thing, that, if the original title were deficient, she might be claimed, like other moveables, by the use and possession of an entire year." (Vol. 4, P. 477)

پھر Lord Mackenzie اپنی کتاب 'Studies in Roman law' کے صفحے پر لکھتا ہے:-

"At Rome women could not act as magistrates, Judges or advocates; they were incapable of all public civil employment; they were long under a kind of perpetual guardianship; they were not permitted to be sureties for any one".

کہتے ہیں کہ رُومانی عورتیں نہایت سخت پردہ کیا کرتی تھیں -
یہاں تک کہ اُن میں جو عورت دایہ گری کا کام کرتی تھی وہ اپنے گھر سے

نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی۔ اور اس کے اوپر ایک موٹی لمبی چادر اوڑھتی جو ایڑی تک لٹکتی رہتی۔ پھر اس چادر پر بھی ایک عبا اور اوڑھی جاتی جس کے سبب اس کی شکل کا نظر آنا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔

یورپ کے ازمنۂ وسطیٰ کے بے شمار مصنفین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ عورت طبعی طور پر ایک ادنیٰ حیثیت رکھتی ہے۔ مثلاً ملٹن کا یہ خیال تھا کہ عورت کو بغیر دلیل کے اطاعت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس کی نظم میں حوّا آدم کو کہتی ہے۔

"My auther and Disposer, what thou bidst,
Unargued I obey. so God ordains;
God is thy law, thou mine;
to know no more,
Is woman's happiest knowledge and her praise."

اسی طرح روسو (Rousseau) جو آزادی کا پیغامبر سمجھا جاتا ہے لکھتا ہے کہ لڑکیوں پر ابتدائی عمر سے ہی پابندیاں عائد ہونی چاہئیں۔ یہ بدقسمتی اگر واقعی بدقسمتی ہو تو ان کی صنف کے ساتھ لازم ملزوم ہے۔ اٹھارہویں صدی کی تعلیمیافتہ اور شائستہ عورتوں کو کبھی خواب میں بھی

آزادی کا خیال نہ آیا تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق Hanneh Moore لکھتا ہے[1] کہ لڑکیوں کو یہ سکھانا چاہیئے کہ اپنی قوتِ فیصلہ پر زیادہ اعتماد نہ کیا کریں اور انہیں چاہیئے کہ وہ نکتہ چینی کو بُرا نہ منائیں۔ مخالفت کی توقع اور برداشت کرنے کی عادت ڈالیں۔ اطاعت کی عادت اور برداشت کی رُوح پیدا کریں۔

فرانسیسی نیشنل اسمبلی نے عورتوں سے یہاں تک حقارت آمیز سلوک کیا کہ انہوں نے عورتوں کی عرضداشت پڑھنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ ۱۸۴۰ء میں انسدادِ غلامی کی کانفرنس میں جو لندن میں منعقد ہوئی۔ امریکہ سے آنے والی نمائندہ عورتوں کو شمولیت کی اجازت نہ دی گئی۔ کیونکہ برطانوی نمائندوں کے نزدیک عورتوں کا اِس قسم کی مجالس میں بیٹھنا خدا کے حُکم کے خلاف تھا۔ انگلستان میں ۱۸۸۰ء تک لوگ اس بات کے شدید مخالف تھے کہ عورتیں ڈاکٹری پڑھیں۔ ۱۹۲۰ء تک یہ حالت تھی کہ اکسفورڈ میں عورتوں کو یونیورسٹی میں داخل تو کر لیا جاتا تھا مگر انہیں کوئی ڈگری نہیں دی جاتی تھی۔

اخبار ٹائمز (لندن) مورخہ ۲۲ جولائی ۱۷۹۷ء کا مندرجہ ذیل نوٹ مغربی لوگ بڑی حیرانی سے آجکل پڑھتے ہیں۔

---

[1] Davies, A short history of Women, p. 375

"بعض لوگوں کے نزدیک عورتوں کی بڑھتی ہوئی قیمت تہذیب کی ترقی کی یقینی علامت ہے۔ سمتھ فیلڈ کی مشہور منڈی میں (جہاں عورتیں فروخت ہوا کرتی تھیں) عورت کی قیمت نصف گنی سے بڑھاکر ۳½ گنی پھر کردی گئی ہے۔"

سنہ ۱۸۱۴ء میں Effingham Surrey کے ہنری Cook کو ولدالحرام قوانین کے ماتحت Slinfold Sussex کی ایک عورت سے مجبوراً شادی کرنا پڑی۔ اور اس شادی کے چھ ماہ بعد وہ اور اس کے بچے افنگھم کے ورک ہاؤس میں منتقل کر دیئے گئے۔ اس جگہ کے منتظم نے یہ ٹھیکہ لیا ہوا تھا کہ ۲۱۰ پونڈ میں وہ تمام غریبوں کے رکھنے کا انتظام کرے گا لیکن اُس نے یہ شکایت کی کہ اُس کے پاس تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اور اس بناء پر افنگھم کے Parish officer نے کُک کو منوالیا کہ وہ اپنی بیوی کو بیچ دے۔ چنانچہ اس ورک ہاؤس کے ماسٹر چیپن کو ہدایت کی گئی کہ وہ اس عورت کو Croydon کی منڈی میں لے جائے اور وہاں ۱۷ رجون سنہ ۱۸۱۵ء کو جان آرل کے پاس اسے ایک شلنگ کی قیمت پر فروخت کر دیا گیا اور سودے کو پکّا کرنے کیلئے مندرجہ ذیل رسید لکھی گئی:۔

مؤرخہ ۱۷ رجون سنہ ۱۸۱۵ء — رسیدی ٹکٹ ۵ شلنگ لگایا گیا

مبلغ ایک شلنگ پورا جان آرل سے اپنی جائز بیوی کی قیمت کے طور پر وصول پایا

ہنری کُک

گواہان { Danial Cook
John Chippen

فنگھم کے افسران کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ وہ اس عورت کے اخراجات سے سبکدوش ہو گئے۔ اور اس بناء پر انہوں نے Croydon تک کے سفر کے تمام اخراجات خود ادا کر دیئے۔

اس قسم کے واقعات اکا دُکا نہیں تھے بلکہ ایک کتاب (جس کا عنوان ہے "۱۸۲۲ میں انگلستان میں جوروؤں کی فروخت" مصنفہ H.W. V. Temperley) میں اور بھی اس قسم کے واقعات درج ہیں۔

۱۸۵۶ء میں مسٹر آر۔ ڈبلیو۔ ایمرسن اپنی کتاب English Traits میں لکھتا ہے۔ کہ ایک خاوند کو ہمارے زمانہ تک اپنی بیوی کو بیچنے کا اختیار حاصل ہے۔ اور یہ تمام باتیں انگلستان میں ہو رہی تھیں جو کہ (جوروؤں کی بہشت) کے نام سے مشہور تھا۔ اور جس کے متعلق ۱۷۳۵ء میں Defoe نے یہ کہا تھا کہ اگر براعظم یورپ اور انگلستان کے درمیان ایک پُل بنا دیا جائے۔ تو براعظم کی تمام عورتیں انگلستان میں آجائیں۔

وکٹورین زمانہ میں حقوقِ نسوانی کی مخالفت بڑے زوروں پر تھی۔ اور خود عورتوں کی ایک بہت بڑی اکثریت اس کی مخالف تھی۔

ملکۂ وکٹوریہ نے تمام روشن ضمیر عورتوں سے

اپیل کی ؎ - کہ وہ اس مجنونانہ اور حد درجہ معیوب حماقت کا مقابلہ کریں۔ جو کہ حقوق نسواں کے مطالبہ میں مضمر ہے۔ کیونکہ یہ کئی قسم کے خطرات کا متحمل ہے - اور جن حقوق کو حاصل کرنے کے لئے ہماری بعض بہنیں تلی ہوئی ہیں ملکہ وکٹوریہ کی اس اپیل کی عورتوں کے حقوق مانگنے والوں کے دعووں سے بہت زیادہ مقبولیت ہوئی - اس نے عورتوں کی مساوات کے دعووں کی شدید مخالفت کی - اور وہ اس بات میں اکیلی نہ تھی - Caroline Norton اس بات کے لئے مشہور ہے کہ اس نے ماؤں کے لئے اپنے بچوں پر کچھ حقوق حاصل کرنیکی جدوجہد کی - وہ ۱۸۳۸ء میں لکھتی ہیں کہ بعض عورتوں نے "مساوی حقوق" اور "مساوی عقل و سمجھ" کی تھیوریاں بنا رکھی ہیں - طبقہ نسواں کی یہ رائے نہیں ہے - کم از کم میں جو اپنی لکھو کھا دوسری بہنوں کے مرد کی طبعی افضلیت کی قائل ہوں - جس طرح کہ میں خدا کی ہستی کی قائل ہوں عورت

؎ "To join in checking this mad, wicked folly of womens rights with all its attendant horrors, on which my poor feeble sex is bent forgetting every sense of womanly feeling and propriety" (Adventurous thirtees by J. E. Courtney, op. cit.)

طبعی طور پر مرد سے کمتر ہے اور Beatrice pebles نے ۱۸۸۹ء میں ایک دستاویز پر دستخط کر دیئے جسے Mrs. Humphrey ward اور بعض دوسری مشہور عورتوں نے لکھا تھا۔ اور یہ دستاویز عورتوں کے ووٹ کے خلاف تھی۔ اور اس کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے اُس نے ایک دعوت کے موقع پر یہاں تک کہہ دیا کہ میں ابھی تک کسی ایسے مرد سے نہیں ملی خواہ وہ کتنا ہی کمتر ہو جسے میں نے اپنے آپ سے اعلیٰ تر خیال نہ کیا ہو۔

اس کے بعد میں اعتراضات کو لیتا ہوں جو اسلامی تعلیم پر یورپین لوگوں نے کئے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ جسمانی شہوات جن میں صنفی تعلق بھی شامل ہے چونکہ حیاتِ حیوانیہ سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے اپنی ذات ہی میں وہ ایک کمتر اور قابلِ شرم چیز ہے[1]۔

اِس میں شک نہیں کہ انسان کا ایک جسم ہے اور اسکی کچھ ضروریات ہیں۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اگر انسان باوجود اعلیٰ روحانی قویٰ اور

---

[1] "The sensual side of our being is the lower side and that some degree of shame may appropriately be attached to it. (History of European Morals ii 224 Lecky)

استعداد رکھنے کے محض اپنی جسمانی خواہشات اور شہوات میں ہی لگا رہے تو وہ درحقیقت انسان کہلانے کا مستحق نہ ہوگا اور اسمیں اور ایک حیوان میں فرق نظر نہ آئے گا۔ لیکن یہ کہنا کہ انسان کا کھانا۔ پینا یا آنکھوں سے دیکھنا۔ کانوں سے سُننا یا ہاتھوں سے چھُونا وغیرہ فی نفسہٖ ایک قابلِ شرم بات ہے کیونکہ یہ اُس کے جسمانی افعال ہیں اور حیاتِ حیوانیہ سے تعلق رکھتے ہیں بالبداہت غلط ہے۔ افسوس ہے یہ نظریہ اُس شخص نے پیش کیا ہے جس نے یورپ کے اخلاق کی تاریخ لکھنے میں نہایت دلیری اور صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ یقیناً یہ اسکے صدیوں کے اُس ماحول کا اثر ہے جو عیسائیت نے پیدا کر رکھا ہے۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ جسم روح کا گھر ہے اور اس کے بغیر روح بالکل بیکار چیز ہے۔ لطیف خیالات اور احساسات بغیر کسی جسمانی دماغ کے ممکن ہی نہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ جسمانی زندگی کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان کو مناسب غذا، روشنی اور ہوا ملے اور اُس کی جسمانی حفاظت اور آسائش کا سامان مہیا ہو۔ پس نہ آنکھ کوئی بُری چیز ہے نہ اُس کی بینائی قابلِ شرم ہے بلکہ ان کے بغیر کوئی نظارہ رُوح پرور کہلا ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر کان نہ ہوں یا انہیں قابلِ شرم قرار دے کر اُن سے کام نہ لیا جائے تو نہ رُوح کو اذیّت دینے والا کوئی شور وغوغا ہوگا اور نہ سُریلی اور دلکش آواز کی کشش۔ غرض انسانی جسم اور اسکے افعال اپنی ذات میں ہرگز بُری چیز نہیں۔ بلکہ یہ جسمانی کَل اللہ تعالےٰ کی

ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ یہ اس کا احسان ہے کہ اُس نے اپنے فضل سے ہمیں احسن تقویم عطا کی ہے۔ اگر انسان اپنے اعضاء جسمانی کو استعمال نہ کریگا اور فطری اعمال بجا نہ لائیگا یا ان کا غلط استعمال کریگا تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی نسل اور قوم کو تباہ و برباد کردیگا بلکہ ہر لحاظ سے وہ بہت بڑا مجرم بن جائیگا۔ کیونکہ خدا نے اسے ایک نعمت دی مگر اس نے اس کی ناقدری کی اور اُسے ضائع کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنی رُوح کو بھی ناکارہ بنا لیا۔ جائز صنفی تعلق بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ حلال اور طیب ہے۔ ہرگز ہرگز قابلِ شرم نہیں جس طرح یہ حکم ہے کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ کھاؤ اور پیو۔ رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمْ۔ جہاں چاہو اور جس طرح چاہو۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں جب جہاں اور جس طرح چاہو استعمال کرو[1]۔ جسمانی اور نسلی بقاء کے لئے جائز صنفی تعلق کا قائم ہونا شرط ہے۔ بلکہ اس کے بغیر انسان کو ذہنی پریشانی

---

[1] "The true searcher after Life's fullest happiness can attain well sexed health to which all human beings are as much entitled as they are to food and shelter."
(Encyd. of health P. 1579)

اسی طرح وہ کہتا ہے کہ Sex in unclean۔ عموماً انہی لوگوں کا خیال ہوتا ہے جو خود جسمانی لحاظ سے کمزور ہیں اور خوبصورت نہیں ہیں۔

بھی لاحق رہے گی اور سکھ اور چین اس زندگی میں نصیب ہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے عورت کو اسی لئے پیدا کیا ہے۔ فرمایا لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا تاکہ تمہیں راحت حاصل ہو۔ اسلام عورت کو مرد کا رفیق قرار دیتا ہے اور رفیق بھی صالحہ اور وہ جس کے ساتھ واقعی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ شہوت رانی کا آلہ نہیں بناتا۔ ہاں انسان اگر اپنے اصل مقام سے گر جائے اور جسمانی شہوات اور لذّات کو ہی اپنا شغل اور مقصود بنالے تو پھر وہ خود اَسْفَلَ السَّافِلِيْن میں شامل ہو جاتا ہے اور ایک جانور سے بھی بدتر۔

مسٹر لیکی نے تعدّد ازدواج پر بھی اعتراض کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مشرق میں تعدّد ازدواج خالصتہً شہوت پرستی کا ذریعہ ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ قدرت نے ساری دُنیا میں مرد اور عورت کی تعداد قریباً برابر رکھی ہے اس لئے طبعی چیز یہی ہے کہ ایک مرد کی ایک بیوی ہو۔ نیز یہ کہ ایک بیوی ہونے کی صورت میں گھر کا انتظام عمدگی اور خوشی سے چل سکتا ہے۔ اور صحیح مساوات بھی اسی طرح قائم ہوتی ہے۔[۱]

اسلام تعدد ازدواج کی اجازت ضرور دیتا ہے لیکن یہ کہ مشرق والے اسے شہوت پرستی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اس کی ذمّہ داری اسلام پر عائد نہیں ہو سکتی۔ صداقت صداقت ہی ہے چاہے اسے تھوڑے لوگ تسلیم کریں چاہے بہت۔ گورے کریں یا کالے کریں۔ پھر اس کا

---

[۱] History of European morals ii P. 295

جواب یہ بھی ہے کہ اہلِ مغرب ایک شادی کے باوجود بھی ہر طرح شہوت رانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ رہبانیت اختیار کر کے بھی بدکاری میں عمر بسر کرتے ہیں۔ دراصل یہاں زید یا بکر کے عمل کا سوال ہی نہیں۔ سوال مسئلۂ تعدّد ازدواج کا ہے۔ اگر یہ ضرورت حقّہ ثابت ہو جائے تو خواہ اُس پر کوئی عمل کرے یا نہ کرے یہ مسئلہ درست ہی رہے گا۔

باقی یہ کہ دُنیا کی عورتیں مَردوں کے قریباً برابر ہیں اس لئے طبعی بات یہ ہے کہ ہر مرد کے حصّہ میں ایک ہی عورت آنی چاہیئے۔ یا یہ کہ قدرت کا ایسا ہی منشاء ہے محض ایک خوش فہمی ہے۔ مشہور فلاسفر ہربرٹ سپنسر لکھتا ہے:۔

"On counting up all the peoples, savage & civilized, past & present it appears that the polygynous ones far outnumber the rest" (Principles of Sociology Vol I, P. 635. London 1876)

ہم جو پیش کرتے ہیں وہ خالقِ عالَم اور خالقِ فطرت کے صریح الفاظ ہیں جن سے اس کا منشاء صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرد چاہے تو چار تک بیویاں کر سکتا ہے۔ پس اِس لفظی صراحت کی موجودگی میں ہمارے لئے اپنے قیاس کو فوقیت دینا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو

یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ ابتدائے آفرینش سے ہمیشہ عورتوں اور مردوں کی تعداد برابر ہی رہی ہے۔ یا یہ کہ قابلِ شادی افراد مساوی رہے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا چودھویں ایڈیشن میں لکھا ہے کہ قریباً دو تہائی دُنیا کی آبادی کی چند سال کے بعد مردم شماری کی جاتی ہے بقیہ تیسرے حصّہ کا صرف اندازہ کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ اندازے زیادہ قابلِ اعتبار نہیں اور غلطی کا بڑا وسیع امکان ہے:-

"No great degree of confidence can be placed upon these estimates and a wide margin of error must be allowed for."

لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ مرد عورت برابر ہیں تو ہم دوسرے واقعات اور حقائق سے آنکھ بند نہیں کر سکتے۔ مثلاً یہ کہ انگلستان میں عورتوں کی زیادتی ہوتی جا رہی ہے۔ اور ادھر افغانستان میں عورتوں کی قلت رہتی ہے۔ اب یہ تو قدرت کا منشا نہیں ہو سکتا کہ ایک انگریز عورت اپنی شادی کے لئے افغانستان آئے اور ایک پٹھان سے نکاح کرے۔ یا یہ کہ ایک پٹھان ضرور انگلستان جا کر ہی شادی کرے۔ اسی طرح افریقہ میں عورتیں اگر کم ہوں اور روس میں زیادہ تو ایک حبشی کس طرح روس جا کر شادی کر سکتا ہے۔ اوّل تو

خرچ کا سوال ہوگا۔ پھر حکومتوں کی اجازت اور رنگ اور پھر زبان اور تمدّن کا اختلاف۔

علاوہ ازیں اگر واقعی قدرت کا یہی منشاء ہوتا کہ کسی صورت میں بھی ایک سے زیادہ بیوی نہ ہوسکے تو چاہیئے تھا کہ انفرادی اور اجتماعی رنگ میں کبھی بھی ایسے حالات نہ پیدا ہوتے کہ دوسری شادی کی ضرورت پیش آتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح بعض مرد نحیف اور کمزور ہوتے ہیں اور ایک روٹی بھی مشکل سے ہضم کرسکتے ہیں اور بعض جوان تنومند اور قوی ہیکل جن کو ایک روٹی سے کچھ بھی نہ ہو۔ اسی طرح بعض مردوں کو اتنی طاقت اور قوت دی جاتی ہے کہ ایک عورت اُن کے لئے کافی ہی نہیں ہوتی۔ اگر ان کو دوسری بیوی کی اجازت نہ دی جائے تو وہ بدکاری میں مبتلا ہوں گے۔ بعض دفعہ دوسری شادی نہ کرنا سراسر ظلم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک نوجوان شخص کی بیوی کچھ عرصہ کے بعد بانجھ ثابت ہوتی ہے یا خطرناک طور پر بیمار ہو جاتی ہے یا پاگل ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں یہ ظلم ہوگا اگر وہ شخص فوراً اُسے طلاق دیدے اور اس سے قطع تعلق کرلے اور اس بیمار یا پاگل کو بے کسی کی حالت میں چھوڑ دے۔ لیکن اگر وہ دوسری شادی نہ کرے تو خود بیمار ہو جائے گا یا بدکار ہو جائیگا اور یہ خود اس پر ظلم ہوگا کہ اُسے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے فطرتی قویٰ کا استعمال نہ کرے۔ بھوک تو ہو مگر پوری روٹی نہ کھائے۔ پیاس ہو مگر بجھائے نہیں اور خواہ مخواہ عمر بھر تکلیف اُٹھاتا رہے۔ علاوہ ازیں

جنگ کے بعد عورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اس صورت میں عورتوں پر ظلم ہے کہ ان کی شادی نہ ہو۔ نسل کی بھی ترقی نہیں ہوتی۔ تعدد ازدواج کی اس ضرورت کو انسائیکلو پیڈیا آف ہیلتھ جلد ۴ مطبوعہ نیویارک امریکہ ۱۹۳۳ء بھی تسلیم کرتا ہے۔ ویسے بھی وہ کہتا ہے۔

"Next to monogamous marriage perhaps the most workable scheme for rearing children is the polygamous marriage ......If war and other forms of wholesale murder are justifiable polygamy is justifiable" (P. 1818)

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام سے پہلے دُنیا میں عام طور پر عورتوں کی کوئی عزت نہ تھی۔ نہ کوئی حقوق تھے نہ ورثہ میں کوئی حصہ۔ بعض کے نزدیک تو عورت کی رُوح بھی نہ تھی۔ اسے مال و متاع سمجھا جاتا تھا۔ اس سے ایک جانور کی طرح سلوک کیا جاتا تھا۔ عورت کو فروخت کیا جا سکتا تھا۔ اور کوئی حد بندی ہی نہ تھی۔ جتنی مرضی ہو بیویاں یا لونڈیاں رکھی جا سکتی تھیں اور کھُلے بندوں شہوت رانی کی جاتی تھی۔ اسلام نے اِن سب باتوں کی اصلاح کی۔ عورتوں کو اُن کے جائز حقوق دیئے اور تعدّد ازدواج پر یہ پابندی لگا دی کہ چار سے زیادہ عورتوں سے ایک

وقت میں شادی نہیں ہو سکتی اور اس میں عدل پر زور دیا اور کڑی شرائط لگا دیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک بیوی سے خاوند کو زیادہ محبت ہو۔ مگر اس کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ علاوہ نان و نفقہ میں مساوی سلوک کرنے کے ہر بیوی کی باری پوری ادا کرے۔ اور وقت کے لحاظ سے بھی ہر ایک کو برابر حصّہ دے۔ ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من کانت لہٗ امرأتان فمال الیٰ احداھما جاء یوم القیامۃ وشقّہ مائلٌ۔ (ابوداؤد)

یہ ظاہر ہے کہ ان پابندیوں کے ساتھ تعدد ازدواج شہوت رانی نہیں بلکہ ایک بہت بڑی قربانی ہے۔

یہ کہنا کہ اگر ایک بیوی ہو تو معاشی نظام زیادہ عمدگی سے چل سکتا ہے ایک حد تک بے شک درست ہے۔ کیونکہ تعدّد ازدواج کی صورت میں کئی قسم کی مکروہات اور مشکلات بھی پیش آسکتی ہیں اور ہر ایک شخص کا یہ کام نہیں کہ ان پر قابو پا سکے۔ اس لئے چاہیئے کہ انسان اپنی ضرورت پر غور کرے اور اپنے قویٰ ذرائع اور حالات کو دیکھے اور اس کے بعد فیصلہ کرے۔ عورت کی مرضی کے بغیر تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا اس لئے اس کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے حالات پر غور کر کے دوسری یا تیسری بیوی بننے کا فیصلہ کرے۔ اسلام نہ مرد کو مجبور کرتا ہے

کہ ضرور ایک سے زیادہ بیوی کرے اور نہ عورت کو مجبور کرتا ہے کہ وہ دوسری یا تیسری بیوی بنے۔ اسلام چونکہ ایک کامل اور عالمگیر مذہب ہے اس لئے وہ صرف اجازت دیتا ہے کہ جائز اور خاص شرائط کے ماتحت مرد چار تک بیویاں کر سکتا ہے۔ پس ان حالات میں تعدّد ازدواج کی وجہ سے معاشی نظام میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ سارے فریق اپنی خوشی سے اکٹھا رہنا اختیار کرتے ہیں۔

کمزور آدمی کے لئے بے شک یہ ایک جنجال ہوگا کہ زیادہ بیویاں ہوں اور سب میں انصاف کرنا اور ہر طرح کا انتظام رکھنا واقعی آسان کام نہیں۔ مگر کمزور آدمی کے لئے تو ایک بیوی بھی جنجال سے کم نہیں ہوتی۔ شادی کی آخر ذمہ داریاں ہیں اور ان سب کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ مغرب ایک شادی کو بھی بہت بڑا بوجھ سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ جتنا بھی اسے ملتوی کیا جائے وہ بہتر ہے۔ اپنے انفرادی آرام و آسائش کو ترک کرنا اُن کے لئے دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ بیوی بچوں کے اخراجات، ان کی تعلیم سب ذمہ داریاں ہیں اور ان سے اہلِ یورپ عام طور پر بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور عملاً بدکاری کو شادی پر ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن اسلام ایک فطری اور عملی مذہب ہے اس لئے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مردانہ رنگ میں نکاح کرے اور اپنی تمام ذمہ داریوں کو ادا کرے۔ گھر کا معاشی نظام تو الگ رہا ملکوں کے ہر قسم کے انتظامات بھی تو آخر انسان کو ہی

کرنے پڑتے ہیں۔ جو حاکم ہوتا ہے اُسے اپنے اپنے حلقہ اور دائرہ کے اندر نظام قائم کرنا پڑتا ہے۔ یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں شادی (خواہ ایک بیوی ہو یا چار) اپنے اندر ذمہ داریاں رکھتی ہے۔ یہاں عائلی نظام خراب اس طرح ہوتا ہے کہ میاں بیوی کی آپس میں نہ بنے۔ اگر بیوی کے اندر مقابلہ کی رُوح ہے اور وہ خاوند کے ساتھ ہر رنگ میں مساوات قائم کرنا چاہتی ہے تو ضرور گھر کا انتظام بلکہ گھر ہی تباہ ہو جائے گا۔ ایک اقلیم میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ لیکن ایک مسلمان گھرانہ کی یہ بات نہیں۔ ایمان و تقویٰ کے ساتھ ساتھ ایک طرف وفاداری، اطاعت و محبّت اور جاں نثاری ہے اور دوسری طرف محنت و مشقّت، حُسنِ سلوک، حُسنِ معاشرت، حُسنِ تدبیر اور سرداری اور عزّت۔

پردہ کے خلاف مغربی دُنیا کے ہر طبقے کے لوگوں کو سخت اعتراض ہے۔ کچھ تو غلط فہمیاں ہیں جن کا ازالہ ضروری ہے اور کچھ واقعی اختلاف ہے جس کی بحث ضروری ہے۔ ڈاکٹر John Murdoch L.L.D. فرماتے ہیں کہ "مسلمان اپنی عورتوں کو اس لئے گھروں میں بند رکھتے ہیں کہ اُن کے مذہب میں شادی شدہ عورت کو آزادی ہے کہ وہ جس مرد کو چاہے اپنے جال میں پھنسا لے اور پھر اس کی بیوی بن جائے۔ بشرطیکہ وہ اپنے خاوند کو طلاق پر آمادہ کرے۔"

ڈاکٹر صاحب سے کوئی پوچھے کہ ایک شریف اور باحیا شادی شدہ

عورت کو ضرورت ہی کیا ہے کہ جس مرد کو چاہے اپنا حُسن و جمال دکھا کر فریفتہ کر لے۔ مغربی تمدن میں تو بے شک عورتیں بن سنور کر اپنے گھر سے نکلتی ہیں۔ غمزہ اور ادا سے ہر مرد سے بات کر کے انکی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ آزادی ہے جہاں چاہیں جائیں۔ گائیں اور ناچیں۔ سینما دیکھیں۔ کلبوں میں اپنی نسوانیت دوسروں پر پھینکیں۔ بلکہ بے شک اپنا مُنہ کالا کریں اور طلاق لے لیں۔ ہر طرح کی آسانی ہے۔ طلاق نہ بھی لیں۔ میاں الگ رہے اور بیوی الگ۔ یہ کوئی زیادہ معیوب بات نہیں۔ قانون دونوں کی اجازت دیتا ہے۔ مگر ایک مسلمان عورت جو اپنے متقی خاوند کی وفا کیش و جاں نثار ہے بن سنور کر گھر سے نکلنے کو عار سمجھتی ہے۔ وہ کس طرح غیر مرد کو پھنسا سکتی ہے؟ پھر طلاق کو اس کا خاوند ابغض الحلال (دار قطنی) سمجھتا ہے۔ وہ کس طرح ایسا ظلم کر سکتا ہے کہ خواہ مخواہ اپنی پاکدامن بیوی کو طلاق دیدے۔

پھر ڈاکٹر مرڈک صاحب فرماتے ہیں کہ "پردہ کی ایک خرابی یہ ہے کہ عورتیں غریبوں اور محتاجوں کو تلاش نہیں کر سکتیں۔ اگر مردوں سے نہ ملیں تو اُن کو اپنی تعلیمی کمی کا احساس نہ ہو گا یا یہ کہ اگر عورتیں مردوں کی مجالس میں نہ موجود ہوں تو گھٹیا قسم کا مذاق ہونے لگتا ہے۔ اور مجلس میں وہ خوبی نہیں پیدا ہوتی جو عورتوں کی موجودگی میں۔ اسی طرح بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ پردہ کی وجہ سے مسلمان عورتیں بیمار

ہوجاتی ہیں۔ سِل اور دِق میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز (۱۹۱۲ء) زیر لفظ Emancipation لکھا ہے:-

"In Mohammadanism women are secludid in the harim. They are denied all freeuom of action and all participation in matters intillectual....the seclusiun of the harion tends to keep women in a subordinate position their intercourse with one another is limited and their education is neglected .... the compulsory practice of veiling shows how little they are trusted."

سو جاننا چاہیے کہ اِس قسم کی باتیں غلط فہمیوں کا نتیجہ ہیں اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ عورتوں کو گھر سے نکلنا حرام ہے۔ اپنی اپنی ضروریات کے ماتحت وہ گھر سے باہر جا سکتی ہیں۔ اپنی صحت کے برقرار رکھنے کے لئے بے شک وہ کھُلی ہوا میں جائیں اور ورزش کریں

کھیلیں کودیں۔ پانی میں تیریں۔ ابوداؤد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے دوڑنے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کیا۔ حصولِ تعلیم کے لئے مدرسہ جائیں۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کُلِّ مُسلِمٍ و مُسلِمَۃٍ۔ یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ یقیناً علم ہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان ذلّت اور انحطاط کی پستیوں سے عزّت و اقبال کی سربلندیوں تک پہنچتا ہے۔ اور آج ہر شخص کا یہ فطری حق تسلیم کیا جاچکا ہے کہ اس کے اندر قدرت نے جو صلاحیتیں ودیعت کی ہیں ان کو وہ اُجاگر کرے اور جس حد تک وہ ترقی کر سکتی ہیں اُس حد تک اُنکو پہنچانے کی کوشش کرے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا ذریعہ علم اور صرف علم ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے عورتوں کا فرض ہے کہ وہ خود علم حاصل کریں اور تعلیم حاصل کرکے آگے دوسروں کو پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ دین سکھاتی تھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خُذوا نصف دینکم عن ھٰذہ الحمیراء۔ یعنی نصف دین حضرت عائشہؓ سے سیکھو۔ ترمذی میں ہے کہ صحابہؓ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آتا تو وہی اُسے حل کرتی تھیں۔ سو بے شک عورتیں تقریریں کریں۔ مضمون لکھیں۔ بیماروں کی خدمت کریں۔ علاج کریں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ رُفیدہ کے متعلق لکھا ہے۔ کانت تداوی الجرحیٰ (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۴۱ اور ادب المفرد) زخمیوں کی مرہم پٹی کیا

کرتی تھیں۔ پھر بخاری میں ہے:-

عن الربیع بنت مسعود قالت کنّا نغزوا مع النّبی صلعم نسقی القوم و نخدمهم و نردّ الجرحیٰ والقتلیٰ الی المدینة۔

ترجمہ:- ربیع بنت مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر لڑائی کیا کرتی تھیں۔ قوم کو پانی پلاتی تھیں۔ اُن کی خدمت کرتی تھیں اور زخمیوں اور مقتولوں کو لڑائی کے میدان سے اُٹھا کر مدینہ کی طرف لاتی تھیں۔

جنگِ اُحد میں ام عمارہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عین پاس پہنچ گئیں اور اُنہوں نے تیر اور تلوار سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ (ابن ہشام جلد ۲ صلے۳)

بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں (کتاب المغازی۔ غزوہ اُحد)

مومنوں کے متعلق قرآن شریف میں آتا ہے۔ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿الدّہر﴾ اور کھانا کھلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث مسکینوں

یتیموں اور قیدیوں کو۔ اس لئے عورتیں بے شک مسکینوں اور غریبوں کو تلاش کر کر کے ان کی امداد کریں۔ یہ تو بہت اچھی بات اور نیک کام ہے۔ ضرورت کے ماتحت وہ محنت مزدوری کر کے بھی اپنا گذارہ کر سکتی ہیں تا بھیک نہ مانگنا پڑے۔ من طلب الدنیا حلالاً وتعففاً عن المسألة وسعیاً علیٰ عیاله وتعطفاً علیٰ جارہٖ لقی اللّٰه ووجهه کالقمر لیلة البدر۔
یعنی جس شخص نے دُنیا کو حلال کے رنگ میں اور سوال کرنے سے بچتے ہوئے طلب کیا اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا رہا اور پڑوسی سے نرمی سے پیش آتا رہا وہ اللہ تعالےٰ کو اس حال میں ملیگا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔

اسلام ان چیزوں سے عورتوں کو ہرگز نہیں روکتا۔ اپنے اپنے حالات اور ضروریات کے ماتحت یقیناً وہ اس قسم کے کام کر سکتی ہیں۔ اسلام جس چیز سے روکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ غیر مردوں سے بے پردہ اور بے محابا خلا ملا کریں یا اپنی فطرت کے خلاف شادی نہ کریں۔ ہاں عورتوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے گھروں سے باہر اجنبیوں میں بے پردہ ہو کر نکلیں۔ اور اکثر حصہ اپنے وقت کا باہر ہی گزاریں۔ یا مخلوط مجالس میں کھُلم کھُلا حصہ لیں اور شمع محفل بن کر اپنی زینت کو ظاہر کریں اور غیر مردوں میں صنفی کشش پیدا کر کے سوسائٹی کو تہ و بالا کرنے کے مواقع مہیا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ مرد اور عورت

دونوں کو حجاب اور غضِ بصر کا حکم دیا گیا ہے اور خلوت کی مخالفت ہے۔ کیونکہ صنفی کشش ایک آگ ہے اور اپنی تیزی، بھڑک اور شعلہ کے لحاظ سے نظر آنے والی آگ سے کہیں زیادہ خطرناک ہے لکڑی کی آگ کے قریب جو شخص بے احتیاطی سے جائے گا اور اُس کے ساتھ کھیلے گا وہ صرف خود جل کر راکھ ہوگا مگر صنفی کشش اگر بے لگام ہو تو ساری قوم کی قوم، اُس کی نسل اور اُس کی طاقت اور حکومت سب کچھ جل کر راکھ ہو جائے گی۔ لیکن جس طرح ظاہری آگ انسان کے فائدہ اور خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ خاص قیود اور شرائط کے ماتحت لذیذ ترین اغذیہ اور ادویہ تیار کر دیتی ہے۔ معدنیات کو پگھلا کر عجیب عجیب مصنوعات پیدا کر دیتی ہے۔ سنٹرل ہیٹنگ سے مکانوں کو شدید سردی میں بھی آرام دہ بنا دیتی ہے۔ اسی طرح صنفی کشش جسمانی رنگ میں خاص پابندیوں کے ماتحت نوعِ انسانی کے بقاء کا ذریعہ ہے اور پھر مصفا، پاک اور بلند ہو کر یہ عشقِ الٰہی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور رُوحانی رنگ میں آدمی کو باخدا انسان اور ظلّ اللہ بنا کر رُوح کو بقاء بخش دیتی ہے۔ پس فطری قوانین کی پابندی نہایت ضروری اور مفید ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ مرد اور عورتیں اپنے اُوپر خود پابندیاں عائد کریں۔ مرد اپنی حدود کے اندر رہیں اور عورتیں بے پردہ اور بے لگام ہو کر غیر مَردوں سے خلا ملا نہ کریں۔ ہاں اگر بعض کام اکٹھے کرنے ضروری ہوں تو پردہ کے قواعد کو مدِّ نظر رکھ کر

وہ کام کر سکتے ہیں ورنہ عام طور پہ عورتیں عورتوں کے ساتھ بلکہ کام کریں اور مرد مردوں کے ساتھ۔ تا عورتوں کی زندگیاں تباہ و برباد نہ ہوں۔ اور مردوں کے قلوب کا امن و سکون جاتا نہ رہے۔ عورتیں بے شک قومی زندگی کی تعمیر اور اس کی ترقی میں مردوں کا ہاتھ بٹائیں، معاشرتی زندگی میں عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو بے شک شریک ہوں اور دونوں مل کر زندگی کو بناتے اور سنوارتے ہیں وہ ضرور جدّوجہد کریں مگر یہ نہ ہونا چاہیئے کہ ایک کی عورت دوسرے کے پہلو میں چلی جائے۔ یا ایک کا میاں دوسری کنواریوں کے ساتھ ہی ناچتا پھرے اور عفت و عصمت کو برباد کرنے کے امکانات ہی پیدا کرتا رہے۔

ایک دفعہ انگلستان میں کچھ عورتوں نے ایک تقریر کے بعد مجھ سے سوال کیا کہ کیا اسلام میں ناچنا جائز ہے۔ میں نے کہا کہ اگر ناچنا ہی ہے تو میاں بیوی، ماں بہن، دو لڑکے یا دو عورتیں اپنے گھر کیوں نہیں ناچتیں؟ یہ کیوں ضروری ہے کہ ایک کا خاوند دوسرے کی بیوی سے یا ایک نوجوان غیر شادی شدہ دوسری لڑکیوں سے بغلگیر ہو اور دونوں ناچیں؟ یہ قطعاً ناجائز ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ اس کے بغیر تو کوئی swing ہی نہیں۔ میں نے کہا۔ بس یہ swing ہی ہے جو اسلام قطعاً ناجائز قرار دیتا ہے[1]۔ کھیلنا ہو تو

---

[1] مغربی ناچ کی خرابی کا خود اہلِ یورپ کو بھی اقرار ہے انسائیکلوپیڈیا

عورتیں الگ کھیلیں۔ تقریر کرنا ہو تو اپنی زنانہ مجلس میں کریں۔ لڑکیوں کا سکول الگ ہو جہاں شادی شدہ اُستانیاں پڑھائیں اور مرد اندر نہ جاسکے۔ پارٹی دینا ہو تو زنانہ پارٹی کی جلسے مخلوط نہ ہو۔ اگر کسی حاجت کے لئے باہر جانا ہو تو عورت کو چاہیئے کہ وہ پردہ کر کے جائے۔ غریبوں اور محتاجوں کی تلاش اور خدمت عورتوں کے ذریعہ کریں۔ کیا عورتوں

بقیہ حاشیہ ص۱۲۸

آف Sex مطبوعہ ۱۹۳۹ء مصنفہ G.R. Scott) میں ص۱۰۱ پر لکھا ہے:

"Modern ball room dancing owing to the manner in which it brings the sexes into propinquity, combined with the allure of decorated nudity and aphrodisiacal perfumes, arouses sexual libido in both the male and the female. There are many men who experience erection and even ejaculations while dan ing with attractive girls and to a lesser degree the same hols good as regards the girls themselves."

میں غریب نہیں یا مردوں کے بغیر ان کی تلاش ناممکن ہے۔ آخر ان امور میں کونسی بات ہے جس کے لئے عورت مجبور ہو کر کھلم کھلا غیر مردوں سے ضرور ملے؟ اگر واقعی ایسی کوئی ضرورت بیماری وغیرہ کے سلسلہ میں پیش آجائے تو بے شک عورت یا مرد اپنا ستر کھول سکتا ہے۔ مگر کیا تعلیم کی کمی کا احساس یا حصولِ تعلیم صرف چہرہ دکھانے اور بے پردگی سے ہی پیدا ہو سکتا ہے؟ کیا مردوں کو شرافت سے بات کرنا سکھانے کے لئے عورت کا پردہ سے باہر آنا ہی ضروری ہے؟ اس میں تو عورت مرد دونوں کی ہتک ہے۔

واقعات کے لحاظ سے گو شمار و اعداد مہیا نہیں ہو سکتے لیکن یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ جو عورتیں اسلامی پردہ کی پابند ہیں وہ اس وجہ سے نہ مریض ہیں نہ کمزور۔ مسلمان عورتیں چودہ سو سال سے پردہ کرتی آرہی ہیں پھر بھی وہ اور اُن کی اولاد طاقت اور صحت کے لحاظ سے دوسری قوموں سے کسی طرح کمتر نہیں۔ بلکہ بعض حالتوں میں بے نقاب پھرنے والی عورتوں سے زیادہ تندرست اور خوش ہیں۔ اگر کوئی گھرانہ یا قوم پردہ کے معاملہ میں افراط تفریط سے کام لیتی ہے تو اسکے بُرے نتائج کے وہ لوگ خود ذمہ دار ہیں نہ کہ اسلام۔

بولس صاحب S.C.J. فرماتے ہیں کہ اسلام بدی کا مقابلہ کر کے اسکو

۱؎ ان خیالات کے ساتھ Clement of Alexandria کے مندرجہ ذیل الفاظ کو یاد رکھیئے:۔

فتح کرنا نہیں سکھاتا بلکہ ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا ہی نہ پڑے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی قابلیتوں کے متعلق اسلام کا نظریہ بہت ادنیٰ ہے۔ اور مردوں کو عورتوں کا اعتبار ہی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ بوتس صاحب کے نزدیک عورت کی کوئی قدر نہیں۔ اور اس کی عصمت کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ جو چاہے اُسے پھاڑ کر گلی میں پھینک دے۔ یورپ کے نزدیک عورت کی عصمت چند پیسے ہیں مگر اسلام کا نظریہ اس سے بہت بلند اور اعلےٰ ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی غور کے لائق بات ہے کہ لوگ اپنے روپیہ اور نقدی وغیرہ کو اپنے گھر میں تالہ لگا کر کیوں رکھتے ہیں باہر گلی میں رکھ کر کیوں نہیں سو جاتے۔ کیا وہ اپنے محلہ والوں کو اتنا ہی بے اعتبار اور چور سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اپنا روپیہ گلی میں رکھیں گے تو وہ ضرور اُٹھا کر لے جائینگے یا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰

"Let the woman be entirely covered, unless she happens to be at home. She will not invite another to fall into sin by uncovering her face." (A short history by Davies, P. 223

کیوں وہ اپنے سینہ کے ساتھ لگا کر اُٹھائے پھرتے ہیں۔ پولیس کیوں ہر مہذّب ملک میں مقرر ہوتی ہے؟ یورپین ممالک میں ہر گھر میں دروازے کیوں لگائے جاتے ہیں؟ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ احتیاط عین دانشمندی ہے۔ اور یہ دوسروں کو چور بنانا نہیں ہے۔ مثل مشہور ہے خر بستہ بہ گرچہ دزد آشنا ہست۔ پردہ عفت حاصل کرنے اور قائم رکھنے کا بہترین طریق ہے لیکن یہ اس کی امتیازی علامت نہیں۔ ایک بدکار اپنے آپ کو پردہ کا پابند ظاہر کر سکتا ہے۔ اور ایک بدکار عورت پردہ میں رہ کر بھی بدکاری کر سکتی ہے۔ اگر دل گندہ ہو جائے تو محض نیکوں کا لباس اسے کچھ فائدہ ہی نہیں دے سکتا۔ اصل نیکی دل کی ہی نیکی ہے۔ لیکن جس کی نیّت خراب نہ ہو اور وہ پاکدامن رہنا چاہے تو وہ اسلامی پردہ کا طریق اختیار کر کے اپنے آپ کو آسانی کے ساتھ ٹھوکر سے بچا سکتا ہے۔ پس پردہ ایک احتیاط ہے۔

طِبّ کا سوال آتا ہے تو خود یورپ کے ڈاکٹر بھی دُنیا کو کہتے پھرتے ہیں کہ احتیاط علاج سے بہتر ہے۔ (Prevention is better than cure) موٹر والوں کو یورپ میں بار بار یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ سب سے مقدم چیز جان کا بچانا ہے۔ (Sefety First) مگر جب اخلاق اور عصمت کا سوال آتا ہے تو فوراً چلّا اُٹھتے ہیں حفظِ ماتقدّم کیوں؟ احتیاط کیوں؟ آخر اُن کے دماغ کا توازن اس معاملہ میں کیوں بگڑ جاتا ہے؟ عقل و

دانش کیوں ماری جاتی ہے؟ میں سمجھتا ہوں یہ زن، زر اور دُختِ رز (wine women and song) کا اثر ہے۔

اگر مقابلہ کا سوال ہے تو کیا نہتّے ہو کر اپنے طاقتور دشمن کے گھر چلے جانا چاہیئے یا احتیاط اور تدبیر سے اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے؟ تعجّب ہے جب اپنے مُلک کا سوال آتا ہے تو بغیر جنگ کے بھی اپنی سرحدوں کو مضبوط کرتے پھرتے ہیں۔ فوج رکھتے ہیں، کرتب سکھاتے ہیں، قلعے بناتے ہیں۔ اسلحہ کی فیکٹریاں، جہاز اور راٹیم بمب بناتے ہیں۔ مگر جب اخلاق اور عفّت اور پاکدامنی کا سوال آتا ہے تو تمام احتیاطوں کو بالائے طاق رکھ کر کُھلے بندوں شہوت رانی پر اُتر آتے ہیں۔ سچ ہے کہ دجّال کی ایک آنکھ بند ہے۔

اگر سچّا اصولِ اخلاق اور معاشی نظام کا یہی ہے کہ ایسے مواقع کثرت سے بہم پہنچانے چاہئیں جن میں مرد اور عورت بدی کا مقابلہ کرتے رہیں تو انگریزوں اور امریکنوں کو چاہیئے کہ جس طرح کلبوں اور Dance hall میں ایک دوسرے کی بیوی سے مخاطب اور بغلگیر ہوتے ہیں اُسی طرح اب اس سے ترقی کر کے میاں دوسرے کے گھر جا کر اس کی بیوی کے ساتھ رات گذارے اور اپنی بیوی کو وہ دوسرے کسی مرد کے گھر رات کے وقت خود چھوڑ آیا کرے تا سب کو بدی سے مقابلہ کا موقع ہاتھ آتا رہے! ۔ مگر باوجود ہر قسم کی بدکاری میں مبتلا ہونے کے کوئی شادی شدہ مرد اس پر کاربند ہونے کے لئے

تیار نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ دیّوثی اور بے غیرتی کی انتہا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ نظریّہ خود اُن کے نزدیک بھی قابلِ عمل نہیں ہے۔ صنفی میلان اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے ماتحت انسانوں میں اسلئے پیدا کیا ہے تا ایک گھر قائم ہو۔ جہاں بچّوں کی پرورش اور تعلیم ہو، عفت ہو اور ترقی نسل ہو۔ اور انسان اپنے خالق و مالک کی ہمیشہ ہمیش تک پرستش اور عبادت کرتا رہے۔ پس اس فطرتی میلان کو بلا وجہ دبانا یا مٹا دینا یا اس کا ناجائز استعمال کرنا درست نہیں۔ بلکہ جائز حدود کے اندر اس کا استعمال ایک اعلیٰ خُلق ہے۔ اور انسان کی تمدّنی، معاشی اور رُوحانی زندگی کی ترقی کے لئے ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ دراصل بدکاری کا یہی ایک عملی مقابلہ ہے جو اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے بہت زیادہ اہم ہے۔ بے پردگی کے حامی اس اعلیٰ خُلق یعنی پاکدامنی اور فطرتی تمدّنی نظام سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں اور الزام دوسروں پر کسی نہ کسی بہانہ سے تھوپنا چاہتے ہیں۔

اِس اعلیٰ خُلق کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"اِس جگہ یاد رہے کہ یہ خُلق جس کا نام احصان یا عفت ہے یعنی پاکدامنی یہ اسی حالت میں خُلق کہلائے گا جبکہ ایسا شخص جو بد نظری یا بدکاری کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے۔ یعنی قدرت نے وہ قویٰ اس کو دے رکھے ہیں جن کے ذریعہ سے

اس جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔ اِس فعلِ شنیع سے اپنے تئیں بچائے اور بباعث بچّہ ہونے یا نامرد ہونے یا خوجہ ہونے یا پیر فرتوت ہونے کے یہ قوت اس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ہم اس کو اس خُلق سے جس کا نام احصان یا عفّت ہے موصوف نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عِفت اور احصان کی اس میں ایک طبعی حالت ہے۔ مگر ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ طبعی حالتیں خُلق کے نام سے موسوم نہیں ہو سکتیں بلکہ اس وقت خُلق کی مد میں داخل کی جائیں گی جبکہ عقل کے زیر سایہ ہو کر اپنے محل پر صادر ہوں یا صادر ہونے کی قابلیت پیدا کر لیں۔ لہذا جبکہ مَیں لکھ چکا ہوں کہ بچّے اور نامرد اور ایسے لوگ جو کسی تدبیر سے اپنے تئیں نامرد کر لیں اس خُلق کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے۔ گو بظاہر عفّت اور احصان کے رنگ میں اپنی زندگی بسر کریں۔ بلکہ تمام صورتوں میں اُن کی عفت اور احصان کا نام طبعی حالت ہو گا نہ اور کچھ۔ اور چونکہ یہ ناپاک حرکت اور اس کے مقدمات جیسے مرد سے صادر ہو سکتے ہیں ویسے ہی عورت سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ لہذا خدا کی پاک کتاب میں دونوں مرد اور عورت کے لئے یہ تعلیم فرمائی گئی ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى

لَهُمْ ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ
وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى
جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ
مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى
اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ
سَبِيْلًا ۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ
نِكَاحًا وَّرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا
عَلَيْهِمْ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۔ یعنی ایمانداروں
کو جو مرد ہیں کہدے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے
سے بچائے رکھیں اور ایسی عورتوں کو کھلے طور سے نہ دیکھیں
جو شہوت کا محل ہو سکتی ہیں اور ایسے موقعوں پر خوابیدہ نگاہ
کی عادت پکڑیں اور اپنے ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں
ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچاویں۔ یعنی بیگانہ عورتوں کے
گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں۔ اُن کے حُسن
کے قصے نہ سُنیں۔ یہ طریق پاک نظر اور پاک دل رہنے کیلئے
عمدہ طریق ہے۔ ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہدے کہ وہ
بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں اور

اپنے کانوں کو بھی نامحرموں سے بچائیں یعنی اُن کی پُرشہوات آوازیں نہ سُنیں اور اپنی ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنی زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں۔ اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔ یہ وہ تدبیر ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے۔ اور دوسرا طریق بچنے کے لئے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس سے دُعا کریں تا ٹھوکر سے بچاوے اور لغزشوں سے نجات دے۔ زنا کے قریب مت جاؤ یعنی ایسی تقریبوں سے دُور رہو جن سے یہ خیال بھی دل میں پیدا ہو سکتا ہو اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو جو زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ زنا کی راہ بہت بُری ہے۔ یعنی منزلِ مقصود سے روکتی ہے اور تمہاری آخری منزل کے لئے سخت خطرناک ہے۔ اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہیئے کہ وہ اپنی عفت کو دوسرے طریقوں سے بچاوے۔ مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں سے تن آزار کام لے۔ اور لوگوں نے یہ طریق بھی نکالے ہیں کہ وہ ہمیشہ عمداً نکاح سے دست بردار رہیں یا خوجے

بنیں اور کسی طریق سے رہبانیت اختیار کریں۔ مگر ہم نے انسان پر یہ حکم فرض نہیں کیے اسی لئے وہ ان بدعتوں کو پورے طور پر نباہ نہ سکے۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ خوجے بنیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو سب لوگ اس حکم پر عمل کرنے کے مجاز بنتے۔ تو اس صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو جاتا۔ اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل کرنا تھا کہ عضوِ مردمی کو کاٹ دیں تو یہ درپردہ اُس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز جبکہ ثواب کا تمام مدار اسی بات میں ہے کہ ایک قوت موجود ہو اور پھر انسان خدا تعالیٰ کا خوف کر کے اس وقت کے خراب جذبات کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے منافع سے فائدہ اُٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل کرے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے عضو کے ضائع کر دینے میں دونوں ثوابوں سے محروم رہا۔ ثواب تو جذبہ مخالفانہ کے وجود اور پھر اُس کے مقابلہ سے ملتا ہے۔ مگر جس میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اُس کو کیا ثواب ملے گا۔ کیا بچہ کو اپنی عفّت کا ثواب مل سکتا ہے؟

اِن آیات میں خدا تعالےٰ نے خُلق احصان یعنی عفّت حاصل کرنے کے لئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ

اپنے تئیں پاکدامن رکھنے کے لئے پانچ علاج بھی تبلا دیئے ہیں۔ یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا۔ کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا۔ نامحرموں کے قصے نہ سننا۔ اور دوسری تمام تقریبوں سے جن میں اس بدفعل کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ۔

اِس جگہ ہم بڑے دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اعلیٰ تعلیم اِن سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام ہی سے خاص ہے۔ اور اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیّر کے الگ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے جذباتِ شہوت محل اور موقع پا کر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے۔ یا یوں کہو کہ سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلّف دیکھ تو لیا کریں اور ان کی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں اور اُن کے تمام انداز ناچنا وغیرہ مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں۔ اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم اُن بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سُن لیں اور اُن کے حُسن کے

قصّے بھی سُنا کریں۔ لیکن پاک خیال سے سُنیں۔ بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور اُن کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے۔ اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور اُن کے حُسن کے قصّے نہ سُنیں۔ نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے۔ بلکہ ہمیں چاہیئے کہ اُن کے سُننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مُردار سے۔ تا ٹھوکر نہ کھاویں۔ کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آویں۔ سو چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں۔ اس لئے اُس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔ اِس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے۔ اگر ہم ایک بھوکے کُتّے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھ دیں اور پھر اُمید رکھیں کہ اس کُتّے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو خدا تعالےٰ نے چاہا کہ نفسانی قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آوے جس سے بدخطرات جنبش کر سکیں۔

اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مُراد نہیں کہ فقط عورتوں کو

قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے۔ یہ اُن نادانوں کا خیال ہے جن کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد دونوں کو آزاد نظراندازی اور اپنی زینتوں کے دکھانے سے روکا جائے۔ کیونکہ اس میں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے۔ بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ خوابیدہ آنکھ سے غیر محل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں بچا لینا اور دوسری جائز النظر چیزوں کو دیکھنا۔ اس طریق کو عربی میں غضِّ بصر کہتے ہیں۔ اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہیئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابہ نظر اُٹھا کر دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غضِّ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے۔ اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خُلق کے رنگ میں آجائے گی اور اُس کی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑے گا۔ یہی وہ خُلق ہے جس کو احصان اور عفّت کہتے ہیں۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی)

عورتوں پر جو پابندیاں بیان کی گئی ہیں اُن پر بعض لوگ ایک اَور جہت سے اعتراض کرتے ہیں صنفی رقابت کا شکار ہو کر وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عورت اگر مرد سے بہتر اور برتر نہیں تو ہر رنگ میں اس کے برابر ضرور ہے۔ یا یہ کہ عورت میں یہ استعداد موجود ہے کہ اگر کوشش

کرے تو مرد کے برابر ہو سکتی ہے خواہ اس میں صدیاں ہی کیوں نہ لگ جائیں۔ مثلاً ایک کتاب (The Evolution of Woman (1893 مصنّفہ Eliza Burt Gamble میں لکھا ہے :-

"حیات کی تمام انواع (بشمول انسان) میں مادہ نر کی نسبت ترقی کے زیادہ اونچے درجہ پر ہے۔"

Emerence M. Lemouche نے لکھا ہے کہ :-

"ذلیل ترین فاحشہ عورت بہترین مرد سے اعلیٰ ہے۔"
(The New Era woman's Era, P. 65)

پھر Mary Wallstonecraft (1759-1797) اپنی مشہور تصنیف A Vindication of the rights of Women London 1792) میں مندرجہ ذیل باتوں پر زور دیتی ہے کہ :-

"عورتیں مرد ہیں جیسے ایک اور ایک۔ اس لئے تمدّنی، سیاسی اور شخصی سلوک اُن کے ساتھ عین وہی ہونا چاہیئے جو مردوں سے کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو وہی تعلیم دینا چاہیئے جو مردوں کو۔ عورتوں پر وہی اخلاقی معیار چلنا چاہیئے اور اُن کی سیاسی ذمّہ داریاں اور حقوق وہی ہونے چاہئیں۔ عورتوں کے لئے وہی کام کے مواقع اور وہی کام ہونا چاہیئے جو مردوں کا۔ اور یہ کہ عورتوں کو جہاں تک ممکن ہو عموماً مردوں

کی طرح ہی عمل کرنا چاہیئے۔"

Mr. W. L. George اپنے مضمون Feminists Intention (The Atlantic monthly 1913) میں لکھتا ہے:-

"صنفی مساوات کے حامی چاہتے ہیں کہ دونوں صنفوں کے حالات بالکل ایک کر دیں۔"

J. S. Miel اپنی کتاب The Subjection of women میں لکھتا ہے:-

"جب ہم زمانۂ حال کے معلومات کو ماضی سے ملاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں نے (محض چند نے نہیں بلکہ کثرت نے) اپنے آپ کو ہر اس چیز کا (شاید بغیر کسی استثناء کے) اہل ثابت کر دیا ہے جو مرد کرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اس میں کامیاب ہیں اور قابل تعریف[۱]۔"

---

[۱] اس زمانہ میں بہت سی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں کہ عورت اور مرد دونوں میں کیا، کس قدر اور کیوں فرق ہے؟ اور اس ضمن میں مختلف جہات سے مختلف نتائج نکالے گئے ہیں۔ لیکن اس تحقیق کا نتیجہ یہی ہے کہ عورت عورت ہے مرد مرد ہے۔

مشہور مصنّف اور محقق Havelock Ellis کہتا ہے کہ جسمانی انفعالیت نے عورتوں میں ذہنی طور پر قبولیت اور اطاعت کا مادہ پیدا کر دیا ہے اور اسے بڑھا بھی دیا ہے۔ اس کا حیا دسے بھی

Mathilde Vaerting اور Mathias کہتے ہیں کہ نسوانی ذہنیت کوئی الگ چیز نہیں۔ اس وقت چونکہ عورتیں مردوں کے

بقیہ حاشیہ صہ ۱۴۳

تعلق ہے (اگرچہ رسم و رواج کے ماتحت اس میں بہت حد تک ترمیم بھی ہو سکتی ہے۔) جو زیادہ لازمی رنگ میں ایک نسوانی خصوصیت ہے۔

اِس مشہور مصنّف کے نزدیک عورتیں زیادہ جذباتی ہوتی ہیں حکمت عملی جانتی ہیں اور خشک فلسفہ اور تخیلات سے انہیں کم دلچسپی ہوتی ہے۔ عورتوں میں شاہ دولے کے چوہے بھی کم ہوتے ہیں اور genius بھی کم۔
آٹو وینن گر کے خیال میں عورت کی زندگی کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی اہم دلچسپی ہے۔ اور وہ صنفیت ہے۔ اس کا اپنا کوئی اخلاقی معیار نہیں ہے۔ متواتر بیرونی معیاروں پر چلنے کی وجہ سے اس میں جھوٹ، نفاق اور ہسٹریا پیدا ہو گئے ہیں۔ اس میں روشن خیالی کی قابلیت نہیں ہے۔ اس کا حافظہ کچھ نہیں۔ سوائے اس کے کہ رٹی ہوئی باتوں کو دُہرانے کی طاقت ہے۔ اس کی قوتِ فیصلہ غیر یقینی ہوتی ہے اور سمجھ کم۔ وہ جذباتی ہے لیکن گہرے جذبات کے ناقابل۔ اس میں انفرادی بقا کی خواہش نہیں ہے اور نہ مستقل اقدار کی سمجھ۔ اس میں عقلی خمیر نہیں ہے منطق سے کوئی تعلق نہیں۔ اس میں انفرادیت

ماتحت ہیں اس لئے ان میں گھریلو ذہنیت پیدا ہوگئی ہے۔ (اگر سوال یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے عورتیں مردوں کے ماتحت اور محکوم کیوں ہیں؟)

بقیہ حاشیہ صـ۱۴۴

اور آزادی رائے کا فقدان ہے۔

سگمنڈ فرائڈ کے نزدیک نسوانیت سے یہ چیزیں مراد ہیں:۔

حیا۔ خود پسندی۔ حسد اور رشک کی طرف میلان۔ اجتماعی ضمیر اور اجتماعی انصاف کا نقص۔ عمومی لحاظ سے اخلاقی حس کی کمزوری۔ ادنیٰ قابلیت اور اخلاقی ترقی کی طرف محدود تحریص۔ Neuroses کی طرف زیادہ میلان خصوصاً ہسٹیریا (Histeria) کی طرف۔ ایک کمزور صنفی تحریک۔ ذہنی ارتقاء کا جلد رُک جانا وغیرہ۔

Alfred Adler کے خیال میں نسوانی خصوصیات یہ ہیں:۔

کمزوری۔ بزدلی۔ شرم۔ انفعالیت۔ بناؤ سنگار۔ اطاعت اور تیزئ حس۔ اور یہ احساس کہ وہ ایک طرف دھکیلی گئی ہے۔ اور کہ وہ خسارہ میں ہے۔ نیز بے مائیگی کا احساس۔

Helen. B. Thompson نے عورت میں بہتر حافظہ پایا ہے کیا اس لحاظ سے کہ وہ جلدی یاد کرتی ہے اور کیا اس لحاظ سے کہ وہ یاد کی ہوئی بات دیر تک یاد رکھتی ہے۔ اس کے خیال میں عورت کو

مارگریٹ میڈ کہتی ہے کہ عورتوں کی ذہنیت کا کوئی خاص قاعدہ نہیں اور نہ اس کی کوئی اس قسم کی وجہ قرار دی جا سکتی ہے کہ وہ مردوں کے ماتحت ہیں۔ انفعالیت۔ قبولیت۔ بچّوں کا شوق۔ بزدلی۔ جذباتی انحصار وغیرہ باتیں کہیں عورتوں میں پائی جاتی ہیں کہیں مردوں میں۔ (کیا مرد کہیں بچّے بھی پیدا کرتے ہیں؟)

بقیّہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵

مرد کی نسبت مذہبی احساس زیادہ ہوتا ہے اور سوشل کم۔ حافظہ کے تجربات میں وہ بہتر نتیجہ پیش کرتی ہے لیکن ایجاد کے معاملہ میں ادنیٰ ہے۔

Thompson کا خیال ہے کہ عورتیں اپنے جذبات دبلنے کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہیں۔ چونکہ ان پر مختلف قسم کے سوشل اثرات پڑتے ہیں اس لیے ان کی توجہ ایک مختلف رنگ میں بٹی رہتی ہے۔

ٹرمان اور مائلز نے اپنے وسیع تجرباتی مطالعہ میں عورت اور مرد کے درمیان اپنی دلچسپیوں اور اپنے جذباتی میلان کے لحاظ سے نمایاں اختلافات قائم کئے ہیں۔ وہ یہ تو نہیں دعویٰ کرتے کہ انہوں نے کوئی ازلی زنانہ خصوصیات معلوم کر لی ہیں مگر یہ دونوں مصنّف یہ ضرور محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ مغربی تہذیب میں عورتیں گھریلو معاملات اور خوبصورتی کی طرف زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں۔ اور اس بات کو ترجیح دیتی ہیں

Feminism نے اپنے مضمون Teresa Billington Greig
Contemporary Revised)and Politics
(Nov. 1911) میں لکھتے ہیں:-

"نسوانی تحریک کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسانی تعلقات

بقیہ حاشیہ ص ۱۴۶

کہ اندر بیٹھ کر کوئی خدمات کرتی رہیں۔ اور یہ بھی انہوں نے محسوس کیا ہے کہ عورتوں کی اپنے مشاغل میں دلچسپی عام طور پر کمزور ہوتی ہے۔ ان مصنفوں کی رائے میں عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ رحمدل اور ہمدرد ہوتی ہیں اور ان کی یہ کیفیت کسی انسانی ہمدردی کے اصل کے ماتحت نہیں ہوتی بلکہ ان کے ہوتے ذاتی خیال کے مطابق ہوتی ہے۔ وہ عام طور پر زیادہ جذباتی ہوتی ہیں۔ اور اپنے جذبات کو زیادہ ظاہر کرتی ہیں اخلاقیات میں زیادہ سخت ہوتی ہیں۔ اور اس بات کے لئے زیادہ تیار ہوتی ہیں کہ وہ اپنی کمزوری کا اقرار کریں اور کچھ پیچھے رہیں۔

اسی طرح Paul Bousficald نے (Sex and Civilization Kagan Paul, London, 1925) اور C. W. Cunnington نے (Feminine Attitudes in the Nineteenth Century, Heinemann, London, 1935) اور G. Heymans نے (Die Psychologie der Frauen, Winter, Heidelberg, 1924) میں اپنے اپنے خیالات کے مطابق نسوانی ذہنیت کی کچھ خصوصیات

میں صنفی مساوات قائم ہو۔ اور اس بنیاد پر ساری دنیا کا نظام بدل دیا جائے۔ اس تحریک کی غرض یہ ہے کہ افراد میں جو

بقیہ حاشیہ ص ۱۴۷

تجویز کی ہیں۔ Mary. A. Hamilton نے ۱۹۴۱ء میں لندن سے ایک کتاب Women at work شائع کی ہے اور اس نے انگلستان کی عورتوں کو Trade Union میں شامل ہونے کی ترغیب دی ہے۔ اس نے شمار و اعداد سے بتایا ہے کہ عورتیں کس کس شعبہ میں کیا کیا کام کرتی ہیں۔ کتاب کے آخر میں وہ عورتوں کے متعلق کہتی ہے:-

"They are of course inferior where the brawn and muscle, the drive of brutality, is the one qualification for the useful slave."

Dr. Viola Klein Phd. London اپنی کتاب The Feminine Character کے آخر میں یہ فرماتی ہیں کہ صرف ایک بات واضح ہے کہ ہر مصنف کے نزدیک نسوانیت کا ایک علیحدہ خیال اور تصور موجود ہے خواہ کتنی بھی جرح قدح کیجائے نسوانیت کا جو الگ تصور قائم رہے گا۔ اور مٹ نہیں سکتا۔

اختلافِ صنف کی بناء پر ہے اسے رد کر دیا جائے اور صنفی حقوق اور ذمہ داریوں کو مٹا دیا جائے - اور قانون اور رواج کی بُنیاد اس اصول پر رکھی جائے کہ مرد اور عورت کی انسانیت ایک ہی ہے -

John Stuart Mill نے ۲۰ مئی ۱۸۶۷ء کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا -

"Men can not retain manliness unless women acquire it.

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲

پس یہ واضح ہے کہ عورت عورت رہے گی اور مرد مرد - قانونِ قدرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی - ذکر اور اُنثیٰ کا فرق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے - اور یہ قائم رہے گا - قرآن شریف میں آتا ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ - اس دُنیا میں دو دریا پاس پاس اور اکٹھے بہتے ہیں - مگر باوجود اس کے وہ آپس میں ملتے نہیں - یہ دو دریا مرد اور عورت ہی ہیں - ایک دوسرے کے پاس رہتے ہیں - آپس میں محبت کرتے ہیں - لیکن پھر بھی عورت عورت ہی رہتی ہے اور مرد مرد ہی - ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے اور یہ ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے -

یعنی مرد مرد نہیں رہ سکتے جب تک عورتیں مرد نہ بن جائیں۔
اسی طرح Ernest R. Mower نے اپنی کتاب The Family its organisation and disorganisation, Univ. of Chicago Press 1932 میں لکھا ہے:-

"صنفی اختلافات ہمارے دو مختلف معیاروں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ جوں جوں عورت مردانہ کاموں میں حصہ لے گی یہ اختلافات بہت حد تک مٹ جائیں گے"۔

یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ ان پابندیوں کو برداشت نہیں کر سکتے جو اسلام نے عورت پر لگائی ہیں۔ اور نہ وہ ایسے مذہب کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں جو مرد کو افضل قرار دے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ عورت مرد میں نہ مساوات ہے نہ ہو سکتی ہے۔ تحریک مساوات کی غرض یہ ہے کہ عورت وہی کام کرے جو مرد کرتا ہے اور اسے مزدوری بھی اتنی ہی ملے جتنی مرد کو ملتی ہے۔ اور اسے تعلیم بھی وہی دی جائے جو مردوں کو دی جاتی ہے اور اس کے ہر قسم کے حقوق اور فرائض بھی وہی ہوں جو مردوں کے ہوتے ہیں۔ گویا کہ عورت مرد بن جائے یا مرد عورت بن جائے۔ یہ صاف بات ہے کہ عقلاً یہ بات ممکن ہی نہیں۔ اگر مخلوقِ خدا میں اس قسم کا دروازہ کھل جائے تو ہر چیز وہ نہ رہے گی جو وہ ہے۔ زید بکر بن جائیگا اور بکر عمر یا زید۔ پانی دودھ بن جائے گا اور دودھ پانی۔ ایک دو بن جائیگا

اور دو چار۔ گویا کہ سارا انتظام عالم تہ و بالا ہو جائے گا اور ہمیشہ ہوتا رہے گا کیونکہ کسی چیز کو قرار اور ثبات نہ ہو گا۔ نہ کوئی علم، نہ ترقی اور نہ خود یہ دنیا ہی قائم رہے گی۔ کیونکہ اگر آج ایک چیز مٹی ہے تو کل پانی بن سکیگی۔ سورج ہے تو چاند بن جائے گا۔ پانی نیچے کو بہتا ہے تو اوپر کو بہنے لگ جائے گا۔ آگ جلاتی ہے تو وہ پیاس بجھانے کا کام کرنا شروع کر دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس قسم کا اختیار کسی کو نہ عملاً حاصل ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہونا چاہیئے۔ مرد کو خدا نے مرد بنایا ہے اور عورت کو خدا نے عورت بنایا ہے۔ کسی کو یہ طاقت نہیں کہ خدا کے کاموں کو اُلٹ پلٹ کر سکے۔ البتہ ملکی قوانین کے لحاظ سے یہ بات ممکن ہے کہ سیاسی، تمدنی، اقتصادی اور تعلیمی مساوات قائم کر دی جائے۔ چنانچہ مغربی ممالک میں قوانین کی ترمیم کر دی گئی اور عورت کو قریباً قریباً مرد کے برابر حقوق دیدیئے گئے۔ لیکن پھر بھی چونکہ یہ بات فطرت کے خلاف تھی اس لئے اس معاملہ میں عملاً پوری مساوات قائم نہیں ہو سکی۔ ایک قانون بنا دینا اور چیز ہے اور عملاً لوگوں کو اس پر کاربند کر دینا اور چیز ہے۔ مثلاً قانون تو یہ بنا دیا گیا کہ مزدوری مقرر کرنیکے معاملہ میں اس وجہ سے کوئی فرق نہ کیا جاوے کہ مزدور مرد ہے یا عورت۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ عموماً مرد کو ابھی تک مزدوری زیادہ ملتی ہے اور عورت کو کم۔ اور اس کی وجہ یہ بتا دی جاتی ہے کہ عورت ہر جگہ اتنا کام نہیں کرتی جتنا مرد کرتا ہے۔ یا اسی طرح کی کوئی اور وجہ پیش کر دی جاتی ہے۔

(دیکھو 'Women at work' by Mary A Hamilton London 1941)

انگلستان میں ۱۹۱۹ء میں Sex disqualification Removal Act تو پاس کر دیا گیا لیکن عملاً ابھی تک فارن سروس میں عورتوں کو بہت کم لیا جاتا ہے۔ شادی ہوتی ہے تو سروس سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے امتیازات کے متعلق Ethel M. Wood نے ایک خاصی کتاب لکھ ماری ہے جس کا نام Mainly for men (Gullancery London 1943) اور وہ ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

Dr. Klein کہتی ہے کہ گو صنفی مساوات برائے نام قائم ہو گئی ہے لیکن عورتوں کے لئے وہی کشمکش باقی ہے جو پہلے تھی۔ یعنی یہ کہ وہ گھریلو زندگی اختیار کریں یا گھر سے باہر کاروباری زندگی۔ دوسری صورت میں عورت کو خاوند، بچوں اور گھر سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ جرمنی میں زیادہ تر اسی وجہ سے Back to the home کا نعرہ لگایا گیا تھا۔ ذہنی لحاظ سے Dr. Klein کی رائے ہے کہ یہ کہنا کہ عورتوں کی ذہنی حالت پہلے سے بدتر ہے ایک حد تک یقیناً درست ہے۔

ا؎ The feminine character, Kegan paul, PP. 30-33

Lundberg اور Dr. Farnham بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ اس زمانہ کی عورت کی پریشانی کو دیکھتے وقت ہمیں یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی پریشانی کے قریباً تمام موجبات جو پہلے موجود تھے اب دُور ہو چکے ہیں۔ یعنی لوگ اُس کے شادی نہ کرنے یا عقر کو پہلے اچھا نہ سمجھتے تھے۔ وضع حمل کے وقت موت کے امکانات پہلے بہت زیادہ ہوتے تھے۔ بچے چھوٹی عمر میں کثرت سے مرجاتے تھے۔ اور وبائیں اکثر پھیل جاتی تھیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عورت کی زندگی کی اصلاح کے لئے ہر وہ مطالبہ جو انتہا پسندوں نے کیا وہ عملاً پورا کر دیا گیا ہے۔ اور اُن کا جوش اب اس لئے کم ہو گیا ہے کہ ان کا کوئی مطالبہ باقی ہی نہیں رہا۔ عورت کو سیاسی اور تمدنی مساوات دیدی گئی ہے۔ غیر ترقی یافتہ مقامات کے سوا اسے ووٹ کا

ط "In looking at the anxious woman of to day we must always remember that she is a person who has been removed nearly every one of the earlier reasons for female anxiety ..... social reprehension for spinster-hood or infertility high possibility of death in child-bearing, heavy

حق مل چکا ہے۔ جیوری اور کمشنوں کا ممبر وہ ہو سکتی ہے۔ اپنی جائیداد کی مالک۔ اور اپنے وقت اور اپنے جسم کو مرد کی طرح استعمال کر سکتی ہے اپنی قابلیت کے اندر ہر پیشہ عملاً اس کے لئے کھلا ہے۔ اگر وہ چاہے تو مرد سے الگ اقتصادی طور پر وہ آزاد ہو سکتی ہے۔ اور ہر مرد کے برابر تعلیم حاصل کر سکتی ہے۔ چاہے تو بہت بچّے پیدا کرے یا بالکل نہ کرے۔

بقیّہ حاشیہ ص۱۵۳

infant mortality, and general prevalence of pestilence .... and who has been accorded practically every one of the demands for reform of her lot made by extremists who only subsided because there did not seem to be any thing left to ask for. She has been given political and social equality. Except in backward localities, she may vote, serve on juries and public commissions,

اِس معاملہ میں اخلاقاً ویسے اس سے کوئی جواب طلبی نہیں ہوتی۔ جہاں چاہے آئے اور جائے۔ مرد کے اُوپر جو پابندیاں عاید کی گئی ہوں۔ ان کے اندر جو چاہے کرے۔ گو بعض باتیں اسے حاصل نہیں۔ مثلاً مزدوری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۴

own her own property, dispose of her own time and person like any man. Practically every occupation is open to her within her capacities. She may, if she wishes, be economically independent of any man. She may have an education the equal of any man's, and she may, if she wishes, have many, few or no chidren without being morally informally called to account for it. She may come and go as she please, do as she pleases within the limits imposed upon men as well.

مرد کے برابر عموماً نہیں ملتی۔لیکن اس کے پاس ایسے ذرائع ہیں کہ جس چیز کی کمی ہو وہ حاصل کرلے۔کیونکہ ووٹ وہ جیسے چاہے دے سکتی ہے اور کسی سیاسی آدمی کی شامت ہی آئی ہوگی جو اس کے سامنے انکار کرسکے۔لیکن باوجود ان سب باتوں کے وہ خوف زدہ اور ہراساں ہے

بقیّہ حاشیہ ص۱۵۵

Although in some respects she does not have every thing she says she wants.... her earnings as a general rule are not equal to those of men .... she has means of obtaining what she lacks. For she may cast her vote as she pleases, and woe betide the politician who would deny her.

Yet despite all this she is fearful and unsure of herself ..... as much a bundle of fears, actually, as her predecessor who

اور بے اطمینانی کا شکار ہے۔ اغلباً پہلے سے بھی زیادہ ہے۔ مگر اس حد تک تو ضرور ہے جس طرح پہلے وہ کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ تمام اصلاحات جو کی گئی ہیں انہوں نے عورت کو نجات نہیں دی۔

مساوات کے مسئلہ کے متعلق غور کرتے وقت عورت کے جسم کی ساخت۔ اس کے نظام عصبی اور دوسری کیفیات کا بھی تجزیہ کرنا چاہیئے۔ ڈاکٹر ہیری کیمپ بل نے لندن انسٹی ٹیوٹ آف ہائی جین میں کہا تھا :-

"عورتوں کے پھیپھڑے مردوں سے چھوٹے اور خون کے جراثیم مردوں سے کم ہوتے ہیں۔ عورتوں کے جسم میں آگ اس قدر تیزی سے نہیں جلتی ہے۔ اس سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ عورتیں مثل مردوں کے زیادہ محنت اور مشقت کا کام نہیں کر سکتیں۔"

حمل، وضع اور رضاعت ایسے امور ہیں جن میں مساوات کا سوال

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶

Knelt and prayed in cathedrals.
Very probably she is more fearful.
Apparently all the reforms
wrought have not delivered
her."

پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ عورتوں کے ماہواری ایّام اور اُن کا جو اثر عملاً جسم اور دین پر ہوتا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے۔

پروفیسر Krschiskezzky نفسیاتی مشاہدات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ اِس زمانہ میں عورت کا نظامِ عصبی نہایت اشتعال پذیر ہوتا ہے۔ احساسات میں بلادت اور ناہمواری پیدا ہو جاتی ہے۔ مرتّب انعکاسات کو قبول کرنے کی صلاحیت کم اور بسا اوقات باطل ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پہلے سے حاصل شدہ مرتّب انعکاسات میں بھی بدنظمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے وہ افعال بھی درست نہیں رہتے جن کی وہ اپنی روزمرہ زندگی میں خوگر ہوتی ہے۔ ایک عورت جو ٹرام کی کنڈکٹر ہے۔ اس زمانہ میں غلط ٹکٹ کاٹ دیگی۔ اور ریزگاری گننے میں اُلجھے گی۔ ایک موٹر ڈرائیور عورت گاڑی آہستہ آہستہ اور ڈرتے ڈرتے چلائے گی اور ہر موڑ پر گھبرا جائے گی۔ ایک لیڈی ٹائپسٹ غلط ٹائپ کرے گی۔ دیر میں کرے گی۔ کوشش کے باوجود الفاظ چھوڑ جائے گی۔ غلط جملے بنائے گی۔ کسی حرف پر انگلی مارنی چاہے گی اور ہاتھ کسی پر جا پڑے گا۔ ایک بیرسٹر عورت کی قوتِ استدلال درست نہ رہے گی اور اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں اس کا دماغ اور اس کی قوّتِ بیان دونوں غلطی کریں گے۔ ایک مجسٹریٹ عورت کی قوّتِ فہم اور قوّتِ فیصلہ دونوں متاثر ہو جائیں گی۔ ایک دندان ساز عورت کو اپنا کام کرتے وقت مطلوبہ اوزار مشکل سے

ملیں گے۔ ایک گانے والی عورت اپنے لہجہ اور آواز کی خوبی کو کھو دیگی حتیٰ کہ ایک ماہر نطقیات محض آواز سُن کر بتادے گا کہ گانے والی اس وقت حالت حیض میں ہے۔ غرض یہ کہ اس زمانہ میں عورت کے دماغ اور اعصاب کی مشین بڑی حد تک شکست اور غیر مترتب ہوجاتی ہے۔ اس کے اعضاء پوری طرح اس کے ارادے کے ماتحت عمل نہیں کر سکتے۔ بلکہ اندر سے ایک اضطراری حرکت اس کے ارادے پر غالب آکر اس کی قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ کو ماؤف کر دیتی ہے۔ اس سے مجبورانہ افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اس حالت میں اس کی آزادیٔ عمل باقی نہیں رہتی اور وہ کوئی ذمہ دارانہ کام کرنیکے قابل نہیں ہوتی۔" انسائیکلوپیڈیا آف ہیلتھ جلد چہارم مطبوعہ ۱۹۳۳ء میں لکھا ہے:۔

"Some abnormal conditions are eased, many are aggravated during menstruation. Nervous disorders especially are inclined to increase in severity at this time. There is a rise and fall of all organic activities, in definite relation to menstruation before during, and after. Numerous

organs and glands, including the tonsils, are congested during menstruation.

A large percentage of girls and women have disturbances of a local or general nature in direct relation to menstruation, Pain is the most frequent symptom. This may be slight or severe, or of any degree between these extremes. Some women in whom abnormal conditions prevail spend from one to five or even more days of each month in bed, suffering extreme pain during most of this time. Between menstrual periods there may be acute, little or no pain, Of course, a great many women have no

discomfort and no general disturbance in connection with this monthly phenommenon. Among other abnormal symptoms associated with the period are general lassitude, headache, intestinal gas, belching, "sour stomach," general excitability, irregular appetite, frequent urination, drowsiness and tendency to sleep long and deeply, sensitive of painful breasts, disturbance of vision, darkening around the eyes, hoarseness, increase in bodily odor, backache, pains down the legs, crying spells and emotional outbreaks such as dejection, gaiety, changing moods, irritability,

or jealousy.

While certain toxemic conditions my be intensified during menstruation and so come to the attention of the woman involved, it should be understood that these have probably existed independent of the monthly period........

Most women will find that if the diet is limited somewhat, and foods eaten which are vitalizing and laxative, especially during the week preceding menstruation, the symptoms of heaviness, dizziness, pain, fainting, and so forth, will partly or wholly disappear.

....

Sick headache, hysteria and even epileptic seizures may occur only at these periods, or may be more frequent or pronounced at such times. Suicide is more often committed by women while menstruating than between periods. Insane women usually cause much more trouble during menstruation than at any other time all the manifestations of their insanity being intensified. Some people maintain that a woman's guilt or innocence in any act may depend upon the relation of that act to her menstrual cycle, and that even murder, of which the woman is actually

innocent, may be committed during this period of menstruation. By this is meant that such psychic and emotional changes are possible in a more or less naturally unstable woman (and in some not all unstable) as to impel her to an act from which her rational mind would protect her. In consideration of these possibilities in woman's offences against society and the state this susceptibility to her periodic emotional aberration should be taken into consideration.

. . . .

If it be true, as sometimes stated, that sporadic adultery and other sexual immorality

are associated with the menstrual period, this is due to the fact that the impulses are stranger then. Possibly such lapses may occur in women who, through training or temperament, at other times are practically frigid. Usually, there is greater emotional responsiveness and instability at this time, but usually not enough to disturb a self-respecting women. It seems reasonable to conclude that any woman of normal emotional and moral balance need not be greatly unbalanced by menstruation, and that, when she is unbalanced, there is something decidedly wrong

in her training or outlook on life otherwise.

"While self-control is often increased during this time, it is also often decreased, and moral infractions are committed that would not occur at other times. Thus during or near the menstrual period women may be guilty of shoplifting or may have a craving for alcoholic beverages though they be, in general, honest and abstemious."

مصر کے مشہور مصنف فرید وجدی[1] نے ایک رسالہ "المرأۃ المسلمۃ" لکھا ہے جس کا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اردو میں کیا ہے جس میں

[1] سُنا ہے کہ علامہ فرید وجدی اپنے خیالات سے تائب ہو چکے ہیں۔ مگر میری نظر سے ابھی تک علامہ مذکور کی کوئی ایسی تحریر نہیں گذری جس میں انہوں نے مرد اور عورت کی جسمانی اور دماغی طاقت کو مساوی ثابت کر دیا ہو یا اپنے دلائل کی تردید کی ہو۔

قابل مصنف نے یورپ کے عالموں کی مستند آراء پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ مرد اور عورت جسمانی اور دماغی طاقت میں مساوی نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:-

"حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت کا جسمانی اور دماغی اختلاف ایک طبعی اختلاف ہے۔ جس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ فرض کر لو کہ تشریح اور فزیالوجی کی یہ تمام دقیق بحث سر سے پیر تک غلط ہی ہے۔ یہ بھی تسلیم کر لو کہ اگر اختلاف پایا بھی جاتا ہے تو صرف اسی حد تک جس حد تک خارجی اثرات نے عورتوں کو ضعیف کر دیا ہے۔ لیکن اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ حیوانات اور نباتات کی طبعی حالت بھی اس اختلاف کی صاف شہادت دے رہی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ جہاں تک کیمسٹری کی علمی تحقیقات اور تجاربت نے پتہ لیا ہے جمادات بھی اس اختلاف سے محفوظ نہیں [1]۔ عود، خرما، کیلہ کے درختوں میں جہاں نر اور مادہ کا امتیاز ثابت ہوا ہے کہ نر درخت کو مادہ درخت پر طبعی قوت کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔

حیوانات میں نر کو جو تسلّط اور غلبہ اپنی مادہ پر ہوتا ہے اس کے لئے علمی دلائل کی ضرورت نہیں۔ روزانہ مشاہدہ

---

[1] خلقنا كُلّ شيءٍ زوجين

کافی ہے۔ نر اپنی مادہ کی خبر گیری اور حفاظت کرتا ہے حمل کے زمانہ میں اُس کو آرام سے رکھتا ہے۔ خود پر اس کو ترجیح دیتا ہے۔ نسبتاً زیادہ محنت کرتا ہے۔ اس سے زیادہ یہ کہ مادہ سے نر کا قد و قامت عموماً زیادہ ہوتا ہے۔ تشریح نے ثابت کر دیا ہے کہ نر کے جسمانی قوی خارجی اور داخلی اعضاء مادہ سے بہت زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ طب کا محققانہ اصول یہ ہے کہ مادہ کی نسبت نر کا گوشت زیادہ مقوی اور زیادہ طاقت بخش ہوتا ہے۔ کیا یہ تمام باتیں اس امر کا بیّن ثبوت نہیں ہیں کہ مخلوقات میں جنس اناث اور رجال کا اختلاف خارجی اثرات کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خود فطرت نے جسم و دماغ تقسیم کرتے ہوئے عورتوں کو مردوں سے کم حصہ بخشا۔

فزیالوجی کا یہ مسلّم اصول ہے کہ انسان کی عقلی قوت و ضعف کا سرچشمہ دماغ ہے۔ احمقوں اور بیوقوفوں کا دماغ مشاہیر عقلاء کے دماغ سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو لوگ زندگی میں احمق اور لایعقل مشہور تھے جب اُن کے دماغ کو وزن کیا گیا تو تیس اوقیہ سے کسی حالت میں زیادہ ثابت نہیں ہوا۔ لیکن جن لوگوں کی عقل کی تیزی، ذہن کی سرعت، خیال کی بلندی عام طور پر مسلّم تھی اُن کے دماغ تولے گئے تو ساٹھ اوقیہ سے بھی وزن میں

متجاوز ثابت ہوئے۔ یہی قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے۔ جس میں مرد کا پلّہ عورت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر ۴۹ ½ اوقیہ[1] ہے اور عورت کے دماغ کا وزن صرف ۴۴ ہے۔ دو سو اٹھتر مردوں کے دماغ وزن کئے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن ۶۵ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن ۳۴ اوقیہ ثابت ہوا۔ لیکن جب دو سو اکانوے دماغ عورتوں کے وزن کئے گئے تو سب سے زیادہ وزنی دماغ ۵۴ اوقیہ کا اور سب سے کم وزنی دماغ ۳۱ اوقیہ کا نکلا۔ کیا یہ اختلاف اس امر کا بہترین ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قویٰ مردوں کے قویٰ سے بدرجہا ضعیف ہیں۔ دماغ جو قوائے عقلیہ کا اصلی مرکز ہے جب اس کا یہ حال ہے تو پھر عورتوں کا یہ دل گردہ کہاں کہ مردوں کی برابری کا دعویٰ کر سکیں۔"

(صفحہ ۴۴-۴۶)

Hastings Encyclopedia زیر لفظ Emancipation اس بحث کے ضمن میں لکھتا ہے:-

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف ہیلتھ جلد اوّل ص ۱۵۱ پر لکھا ہے کہ مرد کے دماغ کا اوسط وزن ۱۳۷۵ گرام ہے اور عورت کے دماغ کا اوسط وزن ۱۲۳۵ گرام ہے۔

"We dare not disregard the heterogeniety of the sexes."

انگلستان کا مشہور شاعر Tennyson لکھتا ہے :-

"For woman is not undevelopt man,
But diverse, could we make her as the man.
Sweet love were slain: his dearest bond is this,
Not like to like, but like in difference.

پس یہ ظاہر ہے کہ عورت مرد میں اللہ تعالیٰ نے مساوات نہیں رکھی اس لئے جب بھی اس قسم کی کوشش کی جائے گی وہ ناکام رہے گی۔ روس میں یہ کوشش کی گئی مگر کوئی فرق نہیں پڑا۔ چنانچہ روس کا ایک ممتاز سائنس دان انتون نیملاف (Anton Nemilov) جو صنفی مساوات کا شدید حامی معلوم ہوتا ہے اپنی کتاب The Biological Tragedy of women میں لکھتا ہے :-

"ہمیں اپنے نفس کو یہ دھوکا نہ دینا چاہیئے کہ مساوات مرد و زن کو عملی زندگی میں قائم کرنا کوئی سادہ اور آسان کام

ہے۔ دُنیا میں کہیں بھی عورت اور مرد کو برابر کر دینے کی اتنی کوشش نہیں کی گئی جتنی سوویٹ روس میں کی گئی ہے۔ کسی جگہ اِس باب میں اس قدر غیر متعصبانہ اور فیاضانہ قوانین نہیں بنائے گئے مگر اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ عورت کی پوزیشن خاندان میں بہت کم بدل سکی ہے!! (ص۷)

کہا جاتا ہے کہ بعض جگہ عورتیں باہر کام کاج کرتی تھیں اور مرد گھروں میں بچوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ اور اس طرح گویا عملاً عورتیں مردوں پر قوام تھیں۔ صنفی مساوات کے حامی ایسی مثالوں سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے لوگ شاذ و نادر کا حکم رکھتے ہیں۔ تاریخ سے ایسے لوگوں کے تفصیلی حالات کا بھی پتہ نہیں چلتا مگر یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انہوں نے دُنیا میں کوئی ترقی نہیں کی۔ اور نہ کبھی کوئی خاص عزت یا طاقت حاصل کی ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی عورتوں کی قابلیت اور اُنکے کام مردوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں معلوم ہوتے۔ عورتوں کی فوج (Comlotent) تو دُنیا میں کبھی بنی ہی نہیں اور نہ بن سکتی ہے لیکن دوسرے کاموں میں بھی (سوائے خالص زنانہ امور کے) مرد ہمیشہ اور ہر جگہ پیش پیش رہے ہیں۔ اور عورت محکوم Mr. G. R. Scott کو بھی باوجود صنفی مساوات کا شدید عقیدہ رکھنے کے اس صداقت کا اقرار ہی کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے Encyclopedia

of Sex میں لکھتا ہے:۔

"It is true that woman in comparison with man has made a poor show."

ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:۔

"مَیں مرد اور عورت کی مساواتِ مطلق کا حامی نہیں ہُوں۔ قدرت نے ان دونوں کے تفویض جدا جدا خدمتیں کی ہیں ...... مغربی دُنیا میں نفسی نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے۔ عورتوں کو آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے اُلٹا نقصان رساں ثابت ہوگا اور نظامِ معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی۔" (ملّتِ بیضاء پر عمرانی نظر صـ۳۸)

قاسم امین جج ہائی کورٹ مصر لکھتا ہے:۔

"شارع علیہ السلام نے ان چند گنے چُنے معاملات میں مردوں کو عورتوں پر جو اختیار بخشا ہے تو صرف اس خیال سے کہ عورتوں پر خاندانی زندگی کی جو ذمّہ داریاں عاید ہوتی ہیں وہ اُن کو نہ چھوڑیں اور مرد عمومی کاموں سے متعلق رہیں۔

نیز شریعت اسلامی نے مرد اور عورت کے کاموں کی یہ جو تقسیم کی ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ عین فطرت کے مطابق بھی ہے۔"
(مسلمان عورت کی آزادی صہ۲۲)

حضرت خلیفہ اوّل ؓ فرماتے ہیں:۔
"عورت اور مرد میں جناب الٰہی نے قدرت میں مساوات رکھی ہی نہیں۔ بچہ جننے میں جو تکالیف عورتوں کو ہوتی ہیں ان میں مردوں کا کتنا حصّہ ہے یا مساوات ہے۔ کیا قویٰ میں مساوات ہے؟ ہرگز نہیں۔" (نورالدین صہ۹۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام مساوات کے متعلق چشمۂ معرفت میں تحریر فرماتے ہیں:۔
"مضمون کے پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض قرآن شریف پر پیش کیا ہے کہ خاوند کی مرضی پر طلاق رکھی ہے۔ اس سے شاید اس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی رو سے مرد اور عورت درجہ میں برابر ہیں تو پھر اس صورت میں طلاق کا اختیار محض مرد کے ہاتھ میں رکھنا بلاشبہ قابلِ اعتراض ہوگا پس اس اعتراض کا یہی جواب ہے کہ مرد اور عورت درجہ میں ہرگز برابر نہیں۔ دُنیا کے قدیم تجربہ نے یہی ثابت کیا ہے کہ مرد اپنی جسمانی اور علمی طاقتوں میں عورتوں سے بڑھ کر ہیں اور شاذونادر حُکم معدوم کا رکھتا ہے۔ پس جب مرد کا درجہ باعتبار اپنے

ظاہری اور باطنی قوتوں کے عورت سے بڑھ کر ہے تو پھر قرینِ انصاف ہے کہ مرد اور عورت کے علیحدہ ہونے کی حالت میں عنانِ اختیار مرد کے ہاتھ میں ہی رکھی جائے۔"

(صـ۲۷۳-۲۷۴ چشمہ معرفت)

"مرد کا عورت پر ایک حق زائد بھی ہے کہ مرد عورت کی زندگی کے تمام اقسامِ آسائش کا متکفل ہوجاتا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ یعنی یہ بات مردوں کے ذمہ ہے کہ جو عورتوں کو کھانے کے لئے ضرورتیں ہوں یا پہننے کے لئے ضرورتیں ہوں وہ سب ان کے لئے مہیّا کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرد عورت کا مربّی اور محسن اور ذمہ دار آسائش کا ٹھہرایا گیا ہے۔ اور وہ عورت کے لئے بطور انعام کرنے والا اور خداوندِ نعمت کے ہے اسی طرح مرد کو بہ نسبت عورت کے فطرتی قویٰ زبردست دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے مرد عورت پر حکومت کرتا چلا آیا ہے اور مرد کی فطرت کو جس قدر باعتبار کمال قوتوں کے انعام کیا گیا ہے وہ عورت کی قوتوں کو عطا نہیں کیا گیا۔" (صـ۲۷۵)

"اب دیکھو کہ یہ کس قدر انصاف کی بات ہے کہ جیساکہ اسلام نے یہ پسند نہیں کیا کہ کوئی عورت بغیر ولی کے جو

اُس کا باپ یا بھائی یا اور کوئی عزیز ہو خود بخود اپنا نکاح کسی سے کرے۔ ایسا ہی یہ بھی پسند نہیں کیا کہ عورت خود بخود مرد کی طرح اپنے شوہر سے علیحدہ ہو جائے۔ بلکہ جدا ہونے کی حالت میں نکاح سے بھی زیادہ احتیاط کی ہے کہ حاکم وقت کا ذریعہ بھی فرض قرار دیا ہے۔ تا عورت اپنے نقصان عقل کی وجہ سے اپنے تئیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے"۔ (ص ۲۷۶)

"کثرتِ ازدواج کثرتِ اولاد کا موجب ہے جو ایک برکت ہے۔ اگر ایک عورت کا سو خاوند ہو تو اُس کو سو لڑکا پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر سو عورت کا ایک خاوند ہو تو سو لڑکا پیدا ہونا کچھ بعید نہیں ہے ...... جن کو خدا نے برابر نہیں کیا وہ کیونکر برابر ہو جائیں۔ ان کو برابر سمجھنا صریح حماقت ہے"۔ (ص ۲۸۴)

اب میں یہ بتاؤں گا کہ تحریکِ مساوات جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے واقعی صریح حماقت بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ اپنے نتیجہ کے لحاظ سے نہ صرف غلط اور بیہودہ ہے بلکہ خباثت اور دیوثی محض ہے۔ اس تحریک کی ایک لیڈر نے اپنی ایک تقریر میں کہا جو اُس نے ۱۳ر جنوری سنہ ۱۹۱۶ء[۱] کو کی تھی:۔

۱؎ Cited by Correa Moylan Walsh, Feminism (1917) P. 201.

"مجھے اِس دُنیا میں سب چیزوں سے زیادہ نفرت صنفی فرق سے ہے جو عورت اور مرد میں موجود ہے۔"

ایک اور لیڈر کہتی ہے[۱]:-

"عورتیں وہی کامرانی چاہتی ہیں جو مرد کو حاصل ہے وہی عمل کرنا چاہتی ہیں اور وہی اجر لینا چاہتی ہیں ....
..... عورتوں کی بہت بڑی تعداد کو اب یہ شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ بچے پیدا کرنا اتنا ضروری نہیں جتنا تمام مردانہ آوازیں حاکمانہ رنگ میں عورتوں کو یقین دلاتی ہیں ....
..... عورت بننا مہنگا پڑتا ہے نہ صرف اُن کے لئے جو بچے پیدا کرتی ہیں بلکہ اُن تمام عورتوں کے لئے بھی جن کی بھونڈی تولید کی کُل روزانہ کسی نہ کسی رنگ میں بگڑی ہی رہتی ہے۔ عورتوں کو یہ جو ضرورت ہے کہ وہ مردوں کو خوش کریں اگر اس کو دُور کر دیا جائے تو رجولیت حاصل کرنے میں جو بہت بڑی روک ہے وہ دُور ہو جائے۔"

برنارڈ شا فرماتے ہیں[۲]:-

"ہمیں اس چیز کی ضرورت ہے کہ ہم اِن لوگوں کے

---

۱ Lorine pruette, "Why Women Fail," Woman's Coming of Age (1931), op. cit., P.P. 241, 247, 249, 253. ۲ Sociological papers (1904) P. 75.

لئے بعض عام شرائط کے ماتحت بچے پیدا کرنے کی آزادی حاصل کریں جنہوں نے ایک دوسرے کو پہلے کبھی نہ دیکھا ہو اور ان کا یہ ارادہ بھی قطعاً نہ ہو کہ پھر کبھی ایک دوسرے کی شکل دیکھیں اور پھر اُن کی عزت بھی قائم رہے۔"

ایک حامیٔ مساوات کہتی ہے[۲۱]:-

"اس زمانہ کا نہایت ہی گندہ طریق یہ ہے کہ بچے بہت زیادہ تعداد میں پیدا کرتے ہیں۔"

کارل پیرسن نے کہا[۲۲]:-

"میرے نزدیک مستقبل کے صنفی تعلق کی مقدم غرض بچہ پیدا کرنا نہ ہوگی بلکہ مرد عورت کے درمیان نہایت گہری دوستی۔ صنفی دوستی بچے پیدا کرنے کے تعلق سے بہت زیادہ اہم اور پُرمعنی ہوگی۔"

ایک بہت بڑی لیڈر یوں مشورہ دیتی ہے[۲۳]:-

"اگر نوجوان اور اُدھیڑ عمر کی عورتیں حالت حاضرہ

---

۲۱. Margaret Sanger, Woman and the New Race (1920), P. 57.

۲۲. The Ethics of Freethought, (1887), P. 424.

۲۳. Samuel D. Schamalhausen, Woman's Coming of Age, P. 276

میں اپنی زندگی کی پیچیدگی کے متعلق کامن سنس کی خالص منطق کو استعمال کریں تو اُن کو بہت سے مؤثر دلائل اِس بات کے مل جائیں گے کہ وہ اپنی زندگی کو Homosexual طریق پر ڈھالیں۔ زندگی کے بوجھ جو آجکل واقعی ناقابل برداشت ہوگئے ہیں ان کو دُور کرنے کا یہ نہایت ہی عمدہ طریق ہے اور اس سے بہتر کوئی طریق ذہن میں نہیں آسکتی ہے۔

گلمین نے معاملہ یہ کہہ کر صاف کر دیا ہے کہ:۔

"شادی وادی کی کوئی ضرورت نہیں جو عورت مرد آپس میں ملنا چاہیں وہ آزادی سے جب چاہیں ملیں۔ یہ قطعاً کوئی بُرائی نہیں ہے"

W. L. George نے اٹلانٹک منتھلی (دسمبر ۱۹۱۳ء) میں لکھا:۔

"میرے نزدیک تحریک نسوانیت کی اصل غرض یہ ہے کہ شادی بیاہ کے طریق کو بند کیا جائے۔ اور اس کی جگہ

---

۵۱ "Mere promiscuity, indulged from mutual desire, is not in itself vice:------ Charlottee Perkins Gilman, "Parasitism and Civilized Vice," Woman's Coming of Age P. 119

Free alliance یعنی آزاد دوستی کا طریق رائج کیا جائے
غالباً عورت صرف اِس طریق سے ہی اپنی شخصی ترقی حاصل
کر سکتی ہے۔"

قانونِ قدرت کو بدل کر اپنا قانون بنانے کی نامعقول ہوس یہانتک پیدا ہو چکی ہے کہ شمال حاسن نے لکھا ہے[۱] کہ صنفی جنگ کا اصل منبع یہ ہے۔ عورت بچے پیدا کرتی ہے اور مرد نہیں کرتا۔ اگر قدرت اپنی بیشمار

---

[۱] "The aboriginal source of disharmony between the sexes resided in the brute fact that women bear children and men do not. If nature in her infinite bungling (the method of trial and terror) had hit upon the device .... of alternating the burden of pregnancy, what an amazing difference in the cunduct of the sexes". ---- Smauel D. Schmalhausen, "The War of the Sexes, Woman's Coming of Age, P. 260

غلطیوں میں یہ طریقہ بنا دیتی کہ حمل کا بوجھ مرد اور عورت باری باری اُٹھایا کرتے تو اُن کے تعلقات میں کتنا اچھا فرق ہو جاتا۔
اب دیکھئے کہ اسلام کی پاکیزہ تعلیم کو چھوڑ کر اُن کا نظریہ کتنا رگر گیا ہے اور اہلِ یورپ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ اور اُن کی تہذیب جسے وہ اپنی اقتصادی، سیاسی اور فوجی طاقت کے ذریعہ ساری دُنیا پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ یا جس کو ہمارے مغرب زدہ بھائی اور بہنیں اختیار کرنے کا شوق رکھتی ہیں کس قدر خطرناک، بھیانک اور گندی ہے۔
یہ تحریک مساوات کے اغراض و مقاصد ان لوگوں کے بیان کردہ ہیں جن کا کوئی خاص الگ فلسفی نظریہ نہیں جس کے نتیجہ کے طور پر یہ خیالات پیدا ہوئے ہوں بلکہ وہ صرف صنفِ نازک کو آزاد کرانیکے حامی ہیں اور اُس علاقہ کے رہنے والے لوگ ہیں جو سرمایہ داروں کا گھر ہے۔ اشتراکیت کے خمار میں روس کے عوام نے بھی یہی چاہا تھا اور کوشش کی تھی کہ مرد عورت کے درمیان شادی وادی کا کوئی بندھن نہ ہو۔ سب کا اثر ایک ہو۔ نہ کوئی میاں ہو نہ بیوی۔ میاں ہو تو سب کا بیوی ہو تو سب کی۔ نہ کوئی گھر ہو نہ کوئی انفرادی ذمہ داری۔ جو صاحب جس میم سے چاہیں اور جب چاہیں ملیں اور آگے چل دیں۔ بچے وغیرہ اگر ہوں تو اُن کی پرورش حکومت کا کام۔ اور خالص اشتراکی معاملہ ہے۔ ۱۹۳۵ء میں دہلی سے ایک،

مصنف نے اشتراکی عورت کے متعلق یہاں تک لکھدیا تھا:۔
"She is the common property of all the members of the society and is subject to distribution by the Govt, like any other produce. (Communism and Islam by Haji mohmmad yusaf Ahmad P. 10)

اگر کوئی شخص ایک بدی میں گرفتار ہو جائے تو یہ ایک قابل افسوس امر ہے۔ مگر اس سے بہت زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس شخص کا نظریہ بھی بدل جائے اور وہ اس بدی کو بدی ہی نہ سمجھے۔ جب تک وہ اس کو بدی خیال کرتا ہے اس کے لئے وجوہات سوچتا ہے کہ فلاں وجہ سے وہ اس بدی کا ارتکاب کر بیٹھا ہے اور لوگوں کے سامنے ضرورت پیش آجائے تو اپنی مجبوری اور معذوری پر زور دیتا ہے اور شرم اور ندامت محسوس کرتا ہے! اور اسوقت تک اس کے لئے یہ بھی امکان باقی رہتا ہے کہ اسے ترک کر دے، اور نیکی کی طرف قدم اٹھائے۔ مگر جب اُس کے خیالات میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور وہ اُسے بدی ہی نہیں تصور کرتا تو پھر بُرائی کی بجائے اُس کی خوبی اُسے نظر آنے لگتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ وہ

خود اس کو پھیلانا شروع کر دیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اور لوگ بھی اس میں ملوث ہوں، اور اس طرح وہ ایک فعال مرکز بدی کا بن کر بہت زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ پس یورپین اقوام کا بدکاری بےحیائی اور بےغیرتی میں مبتلا ہو جانا اتنا مضر نہیں جتنا کہ ان میں ایسے لوگوں کا پیدا ہو جانا ہے جن کا نظریہ یہ ہو کہ انسان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ بدکار ہو۔ بےحیا ہو۔ یہ ان کی انتہائی بدقسمتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے پہلے اُن کے نظریہ کا ذکر کیا ہے۔

عملی پہلو کے متعلق Mother India کتاب کے چھپنے کے بعد کئی دفعہ مغربی اقوام کی گندی حالت کا نقشہ شمار و اعداد کے ساتھ کھینچا جا چکا ہے۔ اور اس کی زیادہ وضاحت اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک مثال یہاں پیش کرتا ہوں۔

ایک ممتاز فرانسیسی عالم عمرانیات پول بیور (Paul Bureau) اپنی کتاب Towards Moral Bankruptcy میں لکھتا ہے:-

"فرانس میں متوسط درجہ کے تعلیمیافتہ طبقوں میں یہ صورت حال بکثرت دیکھی جاتی ہے۔ اور اب اس میں قطعاً کوئی غیر معمولی پن نہیں رہا ہے کہ ایک اچھے خاندان کی تعلیمیافتہ لڑکی جو کسی دفتر یا تجارتی فرم میں ایک اچھی جگہ پر کام کرتی ہے اور شائستہ سوسائٹی میں اُٹھتی بیٹھتی ہے۔ کسی نوجوان سے مانوس ہوگئی اور اس کے ساتھ رہنے لگی۔ اب

یہ بالکل ضروری نہیں کہ وہ شادی کرلیں۔ دونوں شادی کے بغیر ہی ایک ساتھ رہنا مرجح سمجھتے ہیں محض اس لئے کہ دونوں کے دل بھر جانے کے بعد الگ ہو جانے اور کہیں اور دل لگانے کی آزادی حاصل رہے۔ سوسائٹی میں ان کے تعلق کی یہ نوعیت سب کو معلوم ہوتی ہے۔ شائستہ طبقوں میں دونوں مل کر جاتے آتے ہیں۔ نہ وہ خود اپنے تعلق کو چھپاتے ہیں نہ کوئی دوسرا ان کی ایسی زندگی میں کسی قسم کی برائی محسوس کرتا ہے۔ ابتدا میں یہ طرز عمل کارخانوں میں کام کرنے والے لوگوں نے شروع کیا تھا۔ قبل اول اس کو سخت معیوب سمجھا گیا مگر اب یہ اونچے طبقوں میں عام ہو گیا ہے اور اجتماعی زندگی میں اسنے وہی جگہ حاصل کر لی ہے جو کبھی نکاح کی تھی۔" (صفحہ ۹۶-۹۷)

یہ تو فرانس کا حال ہے۔ اب میں چند ایک اصولی امور آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جو کم و بیش تمام مغربی ممالک میں مشترک پائے جاتے ہیں۔ آجکل نوجوان مرد اور عورتیں پارکوں میں برملا بوسے لیتے اور ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک وقت تھا کہ خود یورپ میں شرم و حیا کی خاص عزت تھی حتیٰ کہ روم میں ایک Senator کو اس لئے ملامت کی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کا بوسہ اپنی لڑکی کی موجودگی میں لیا (لیکی صفحہ ۱۳) اور اسی طرح کنوارپن ایک خوبی سمجھی جاتی تھی مگر اب مغرب کی تہذیب کا یہ حال ہے کہ انسائیکلوپیڈیا آف ہیلتھ (صفحہ ۱۸۱۶) میں لکھا ہے:۔

"Today a man may marry his partner in premarital sexual relations with no feeling of shame on either side؎."

اگر مغربی ممالک میں بے پردگی کا یہی حال رہا تو بعید نہیں کہ وحشی
امریکہ کے قدیم چپ چاس لوگوں کی طرح وہ بھی دلھن کے کنوارپن کو حقارت
کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیں۔

؎ Not simply were they indiffirent to virginity in their brides but if their brides were virgins " thought them unfortunate & without luck as they had not inspired affection in men: accordingly they disliked them as miserable women" (Principles of Sociology by H. Spencer Vol I P. 635, London 1876)

مغربی لوگ آجکل مقابلۃً شادی کم کرتے ہیں، بڑی عمر میں کرتے ہیں، ضبط تولید اور اسقاط زیادہ کرتے ہیں، زیادہ بچوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ طلاقیں اور قانونی جدائیاں زیادہ ہوتی ہیں، عدالت کے بغیر زیادہ تعداد میں خود ہی الگ ہوجاتے ہیں، جو لوگ شادی کرتے ہیں وہ گھروں میں کم ٹھہرتے ہیں۔ اوّل تو عورتیں سکولوں میں پڑھاتی ہیں۔ فیکٹریوں، لانڈریوں یا دکانوں، جہازوں اور دفتروں وغیرہ میں کثرت سے کام کرتی ہیں۔ اور پھر موٹروں میں لوگ اپنے شہر سے دُور باہر نکل جاتے ہیں۔ یا مقامی کلبوں، تھیٹروں اور ٹاکیز میں آدھی رات تک وقت گذارتے ہیں یا رہتے ہی ہوٹلوں اور فلیٹوں میں ہیں۔ بچے کم پیدا ہوتے ہیں۔ بوڑھے لوگوں کی آبادی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ بڑے شہروں میں لوگ اکثر تنہائی زدہ ہیں۔ اور اس دُکھ سے خودکشیاں کرلیتے ہیں۔ ایسی امراض میں زیادہ تر گرفتار ہیں جن میں صنفی تعلقات کا صحیح توازن قائم نہیں۔ عورتیں ہر قسم کے مساوی حقوق حاصل کرلینے کے بعد پھر بھی نہایت ناخوش ہیں۔ اور مردوں کی ناخوشی کا موجب ہیں۔

ان سب خرابیوں کی سب سے بڑی وجہ عورتوں کا اپنا غلط نظریہ ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ بے پردہ ہوکر گھروں سے باہر رہتی اور مختلف کام کرتی ہیں۔ شاید کوئی کہدے کہ یہ نتیجہ اپنی طرف سے نکال لیا ہوں اس لئے میں ایک دو مغربی مبصرین کے اپنے اقوال بطور سند پیش کرتا ہوں جو مبنی تحقیقات کے بعد اس قسم کے نتائج پر پہنچے ہیں۔

G.R. Scott اپنے انسائیکلوپیڈیا آف Sex (مطبوعہ ۱۹۳۹ء) کے ص ۱۱۲ پر لکھتے ہیں:-

"With the fear gone... that pregnancy is the inevitable result of promiscuity the modern woman has lost practically all her scruples and most of her consideration for the cult of virginity."

نیویارک کے Ferdinand Lundberg & Dr. M.F. Farnham M.D. اپنی کتاب Modern Woman the Lost Sex (مطبوعہ لندن مئی ۱۹۴۷ء) میں لکھتے ہیں:-

"Unhappiness in our time is a pretty wholesale affair, involving men as well as women, that it is not something afflicting only a few persons here and there.

(1) There is a vast amount of unhappiness abroad in the world - caused by circumstances other than poverty and disease; (2) That this particular wave of unhappiness is of relatively recent origin; and (3) That the unhappiness is spreading and intensifying in alarming degree, threatening various important aspects of social, cultural and individual life."

یعنی۔ مرد اور عورتیں ہمارے زمانہ میں خوش نہیں نظر آتے۔ ایک دو کا ہی یہ حال نہیں بلکہ سب کا ہی یہ حال معلوم ہوتا ہے۔ دُنیا میں یہ ناخوشی بہت وسیع پیمانہ پر ہے اور اس کی وجہ غربت اور بیماری نہیں۔ یہ حال ہی کے زمانہ میں پیدا ہوئی ہے۔ یہ ناخوشی نہ صرف پھیل رہی ہے بلکہ خطرناک حد تک گہری ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ زندگی کے مختلف تمدّنی، اخلاقی اور انفرادی اہم

پہلوؤں کے لئے خطرہ کا باعث ہو رہی ہے۔

"The most precise expression of that unhappiness is neurosis. The basis for most of this unhappiness, as we have shown, are laid in the childhood home. The principal instrument of their creation are women."

یعنی اِس ناخوشی کا صحیح نام Neurosis ہے۔ اور اس کی بنیاد بچپن کے گھر میں رکھی جاتی ہے۔ اس کے پیدا ہونے کا بڑا آلہ عورتیں ہیں۔

"The modern home is, in fact, reduced to much the same function as a crossroads bus station, wherein people tarried for a brief while until more pressing matters demanded their attention:

school, factory, office are recreational centre."

یعنی زمانۂ حال کا گھر درحقیقت چولا ہے کا بس سٹاپ ہے۔ جہاں لوگ تھوڑی دیر ٹھہرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی توجہ پھر زیادہ اہم امور یعنی سکول، فیکٹری، دفتر یا کھیل کی طرف لگ جاتی ہے۔

"The teeming night life that has grown up around the large city (factory area) is itself expressive of what has been taken from the home in the few evening hours left to it. Theaters, cafes, taverns, restaurants, bowling alleys, billiard parlors, dance halls, shooting galleries and the like are full of people. In the United States, in normal times,

the roads are filled with automobiles until midnight roadside taverns are heavily patronized."

یعنی بھرے ہوئے رات کے مشاغل جو آجکل ایک بڑے شہر یعنی فیکٹری کے علاقہ میں پیدا ہو گئے ہیں خود اِس کمی کو ظاہر کرتے ہیں جو گھر میں پیدا ہو گئی ہے۔ یعنی پہلے بھی گھر کا وقت تھوڑا تھا۔ مگر وہ بھی اب نہیں رہا۔ قہوہ خانے، تھیٹر، شراب خانے، رستورانٹ، بلیرڈ اور باولنگ کھیلنے کے مکانات، ناچ گھر وغیرہ لوگوں سے بھرپور ہوتے ہیں۔ امریکہ میں تو آدھی رات تک سڑکیں موٹروں سے بھری رہتی ہیں۔ اور سڑکوں کے کنارے جو چائے اور شراب کی دکانیں ہیں اُن میں جگہ نہیں ملتی۔

"That the home today is a place from which many people want to escape is well realized by the vendors of home appliances, who stress the freedom from

household "drudgery" that each particular appliance or product will bring to the housewife."

یعنی اس بات کا ثبوت کہ لوگ گھر سے بھاگتے ہیں اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ گھر کے کام کاج کی مشقت کو کم کرنے کے لئے مختلف آلے ایجاد کر کے ان کا کثرت سے اشتہار دیا جاتا ہے۔

"روایتی گھر کی تباہی مردوں، عورتوں اور بچوں سب کے جذبات کے لئے خطرناک ثابت ہوئی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تباہی خود عورتوں پر آئی ہے۔ اور یہی عورتوں کی پریشانی اور بے اطمینانی کی اصل جڑ ہے۔"

"یہ کہاوت کہ عورت کی جگہ گھر ہے، اکثر سُنی جاتی ہے۔ جسے بعض عورتیں نہایت ناپسند کرتی ہیں واقعی درست معلوم ہوتی ہے۔ مگر جب گھر ہی تباہ ہو گیا تو عورتیں کہاں جاکر پناہ لیں؟"

"جن عورتوں کے ایک بچہ یا کوئی بچہ نہیں ہوتا (سوائے چند امراض کے) اکثر جذباتی پریشانی میں مبتلا ہوتی ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ خوش نہیں ہوسکتیں خواہ مُنہ سے وہ کچھ کہیں۔

شرح پیدائش کا یکلخت گر جانا اس بات کی اہم علامت ہے
کہ عورتیں اور مرد جذباتی انتشار اور ناخوشی کا شکار ہیں۔
خصوصاً عورتیں"

ڈاکٹر ہیلن ڈیش کہتی ہے کہ :-

"Psychoanalysis کی روشنی میں یہ بات ثابت
ہے کہ عورت کے لیے صنفی فعل نہایت اہم ہے لیکن یہ اُسی
وقت ٹھیک ہے جبکہ اس کا عمل انثی کیفیت میں عورت
محسوس کرے۔ اور برابری کا رنگ نہ ہو"

"سوال یہ نہیں کہ عورتوں کو گھر کے اندر لایا جائے۔ مگر
سوال یہ ہے کہ اُن کو گھر اس صورت میں لایا جائے جو اُنکے
احساسات اور خواہشات کے مطابق تسلی اور اطمینان کا
موجب ہو"

"اگر عورتوں کو گھر کے گرد منظم کیا جائے تو گھر ایک ایسی
جگہ بن سکتی ہے جہاں توازن رکھنے والے نوجوان نشوونما
پائیں"

"جو علاج تجویز کیا جاتا ہے وہ یہ کہ بغیر اولاد کی عورتوں
کو قطعاً کوئی کام بچوں کی تعلیم کا نہ دیا جائے۔ اُستانیاں
سب شادی شدہ ہوں بلکہ ان کے لیے ایک بچہ کا ہونا
لازمی ہو"

"مرد اور عورتیں اپنے اُن میلانات کی اتباع کرتے جو اُن کے ماحول میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے جو میلان گھر میں پیدا ہوں گے اُنہی کے مطابق اُن کے نظریے قائم ہوں گے۔ اس وجہ سے گھر کی اہمیت پہ آجکل زور زیادہ دیا جانا چاہیئے۔ گھریلو معاملات کو کارپوریشن، یونیورسٹی، لیبارٹری، سکول، سٹاک ایکسچینج، سیاسی پارٹی اور مجلس آئین ساز پر ترجیح ہونا چاہیئے۔ آجکل کی تمام شخصی اور تمدنی خرابیوں کا منبع گھر ہے۔ اور بلا واسطہ یہی منبع ہے گو اس کی ابتداء ان وجہات میں ہو جن سے گھر تباہ ہوئے ہیں۔"

یہ نتائج محض ایک تفنّنِ طبع نہیں کسی بے کار فلسفی کا حسّی نظریہ نہیں۔ نہ کسی امیدوار انتخاب کا سیاسی سٹنٹ اور نہ کسی مذہبی مجنون کی بڑ ہے بلکہ قابل مصنفین نے ایک لمبے مطالعہ، تحقیق اور clinical work in psychiatry کے بعد اپنے مشاہدات اور واقعات بیان کیے ہیں۔

اسی طرح انسائیکلو پیڈیا آف ہیلتھ کے فاضل مصنفین اپنے مغربی بھائیوں کو اپنے علم اور تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر مندرجہ ذیل مشورہ دیتے ہیں:-

A liberal mind cannot

help admiring the idealization of love which convinces young people that it and they are above the law and that for them no marriage is necessary. After many years of life in a large city where such unions are common enough, the liberal mind is profoundly impressed not with the inherent weakness of love, but with its illusory folly. The plan simply does not work. Therefore if you are in love, get married, life without sexual mating is an unnatural

and therefore an undesirable state of existence. P. 1825.

Marriage is the condition of life most conducive to happiness, health and longevity. P. 1823

آئرلینڈ کی مشہور مضمون نگار عورت میڈم مارگریٹ نارمن نے کیا خوب لکھا ہے :-

"عورت دُنیا میں سکون و اطمینان پیدا کرنے کے لئے آئی تھی لیکن میں دیکھتی ہوں کہ یورپ کی عورت دُنیا کے لئے ہنگامہ اور بے چینی کا سبب بنی ہوئی ہے۔ موجودہ زمانہ کے مردوں کی بے بسی قابلِ رحم ہے کہ وہ عورت جو کبھی مردوں کے زخم پر مرہم رکھا کرتی تھی آج مردوں کے سینوں کا زخم بن گئی ہے۔ یہ سب موجودہ تہذیب اور تمدن کی لعنت ہے"

جرمن لوگ تو کبھی بھی صنفی مساوات کے پوری طرح قائل نہیں ہوئے اور ان کی عموماً یہی رائے رہی ہے کہ عورت کا اصل دائرۂ عمل گھر ہے اور اس کا اصل کام بچے پیدا کرنا اور ان کی پرورش کرنا ہے۔ مگر میں نے جو حوالے یہاں پیش کئے ہیں

وہ زیادہ تر امریکن علماء کے ہیں۔ جہاں عموماً لوگ عورتوں کی آزادی اور جنسی مساوات کے شدید حامی ہیں۔

آخر میں میں یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام نے عورت پر جو پابندیاں عاید کی ہیں وہ اس لئے نہیں عاید کیں کہ وہ عورت کے درجہ کو گرا دیں اور کم کر دیں۔ نہیں بلکہ اس لئے عاید کی ہیں کہ اس کا درجہ بلند اور اعلیٰ ہو۔ حقیقی عزت اور حقیقی آزادی فطری قوانین کی پابندی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ فطرت کے خلاف عمل کرنا آزادی نہیں بلکہ تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ اسلام فطرت کا مذہب ہے اس لئے جو پابندیاں اسلام نے عورت پر لگائی ہیں وہ اس کی اصل شان کو نمایاں کرنے کے لئے ہیں۔ اور ان میں اس کی عزت خوشی اور آزادی کا مستقر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عورت اپنے گھر میں رہے۔ شرافت اور وقار سے رہے۔ قرآن کا لفظ قرن قرار بھی ہے اور وقار بھی۔ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ عورت گھر میں رہے گی اور اس کا وقار قائم ہوگا۔ اور بے گھر اسے نہ قرار حاصل ہوگا نہ وقار۔ مرد کو حکم دیا عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ عورتوں کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرو نیکی اور عزت کے ساتھ اور تاکید کی۔ خیرکم خیرکم لاھلہ کہ دیکھو تم میں سے بہتر وہی ہے جو اپنے اہل کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے۔ پھر عورتوں کو فرمایا۔ ھن فیہ لکم ہو بے شک

باہر جاؤ۔ مگر یاد رکھنا کہ تمہاری زینت صرف تمہارے خاوندوں کے لئے ہے۔ ہرگز وہ کسی اور اجنبی مرد پر اسے ظاہر نہ ہونے دینا۔ مجبوری اور چیز ہے مگر حتی الوسع کسی کو موقع نہ دینا کہ وہ تمہارے پیچھے لگ جائے۔

عورتوں کو نازک اندام بنایا حسن دیا حسن بھی ایسا کہ دلربا اور ہوش ربا۔ اس کے ساتھ سادگی ایسی کہ بڑے بڑے حازم مردوں کی عقل پر پردہ ڈال کر انہیں اپنا گرویدہ اور غلام بنائیں۔ اور باوجود کمزور ہونے کے طاقتوروں کو شکست دے۔ کیوں؟ فرماتا ہے:۔

خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ؕ

(الروم)

یعنی۔ ہم نے تمہارے لئے۔ بیویاں اس لئے بنائی ہیں کہ تم ان سے تسکین حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے تعلقات ہوں۔

اسی طرح فرمایا:۔

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

(اعراف ع۲۴)

یعنی۔ اور بنایا اسی سے اس کا جوڑا تاکہ وہ تسکین حاصل

کرے اُس سے۔

اب دیکھئے اگر عورت میں حُسن یا نسوانیت نہ ہوتی بلکہ وہ ایک قوی ہیکل، خونخوار اور مہیب دیو یا چڑیل ہوتی تو کیا مرد اُسے مل کر تسکین حاصل کر سکتا تھا؟ کیا اس کے ساتھ وہ ایک گھر میں رہنا پسند کرتا؟ اس سے محبت ہو سکتی تھی؟ یا اگر عورت مرد ہی ہوتی اور داڑھی مونچھ رکھتی تو کیا ایسا ممکن تھا؟ پھر کیا محبت اور گھر لو سکون اس طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ عورت ایک ہوتی اور اس کے چاہنے والے کئی ہوتے؟ کیا وہ آپس میں لڑتے نہ رہتے؟ کیا یہ عورت کے لئے عذاب اور مصیبت نہ ہو جاتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ فرماتے ہیں:-

"ایک مرد کے لئے بہت عورتیں ہوں تو عورت کو آرام ہے کہ مرد کی حکومت اس کے سر سے کچھ ہٹ گئی۔ ایک عورت کے لئے بہت خاوند ہوں تو کیا عورت کو آرام مل سکتا ہے؟ .... کیا جس کے اوپر بہت سارے حکمران ہوں وہ آسودہ حال ہو سکتا ہے؟ علاوہ اس کے خاوند کیا آپس میں جنگ نہ کریں گے؟"

(نور الدین صا۹)

عورت کے جسم کی ساخت ہی بتاتی ہے کہ وہ ایک خاص غرض کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ہر قسم کے مردوں جیسے کام وہ

فطرتاً کرہی نہیں سکتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد اسے صرف ایک بجوتا تصور کریں اور اس کی کوئی حیثیت اور عزت نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔

اے لوگو! تم مصیبت کے وقت اپنے رب کو ڈھال بنا لیا کرو۔ اس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا ہے۔ یعنی مرد اور عورت سے مجموعہ سے جو ایک جان ہے۔ گویا مرد اور عورت ایک ہی چیز ہیں۔ مرد اور عورت نفس واحدہ ہیں۔ عورت کا زوج مرد اور مرد کا زوج عورت ہے یعنی مرد عورت کی قسم سے ہے اور عورت مرد کی قسم سے ہے۔ مرد بھی انسان ہے اور عورت بھی انسان۔ اپنی ملکیت اور سرمایہ میں عورت اسی طرح مختار ہے جس طرح مرد۔ معاملات اور معاہدات بھی اسی طرح کر سکتی ہے

پھر فرمایا۔

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (نحل رکوع ۱۳)

ترجمہ:۔ جو عمل کرے گا مناسب مرد ہو یا عورت بحالیکہ

وہ مومن ہو پس ہم زندگی دیں گے اُنہیں زندگی پاکیزہ اور ضرور ہم بدلہ دیں گے اُنہیں اجر اُن کا اعلیٰ صورت میں اُس کام کا جو وہ کرتے تھے۔

پھر فرمایا۔

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ ؕ

یعنی آپس میں عورت مرد کے حقوق برابر ہیں۔ جو حق تمہارا ہے وہی اُن کا ہے۔ ہاں عورت اپنا کام کرے اور مرد اپنا کام کرے

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ؕ (نساء رکوع ۴)

یعنی۔ مرد اپنے کئے کا پھل پائیں گے اور عورتیں اپنے کئے کا۔

پھر فرمایا۔

اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

(آل عمران)

میں کسی عمل کو ضائع نہیں کرتا خواہ مرد کا ہو یا عورت کا۔ تم آپس میں ایک ہو۔ اس لئے یہ نہ ہونا چاہیئے کہ تم عورتوں کے ساتھ حقارت سے پیش آؤ۔ جو پابندیاں لگانے سے کُلّیۃً مراد نہیں مرد پر بھی غضِّ بصر کی ایسی ہی پابندی ہے جیسے عورت پر۔ پس

ایک دوسرے کی تحقیر نہ کرو۔ محبت سے رہو اور اپنا اپنا کام کرو۔
پھر فرمایا۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط

(بقرہ)

تم ایک دوسرے کے ننگ کو ڈھانپو اور ایک دوسرے کے لئے زینت کا موجب بنو۔ اکٹھے رہو جیسے لباس ہوتا ہے۔ اِدھر اُدھر نہ بھاگے پھرو۔ اس میں تمہاری زینت ہیں اور نہ تمہارا بچاؤ ہے۔ یہ اعلیٰ تعلیم نہ کسی مذہب میں پائی جاتی ہے اور نہ تہذیب میں۔ یہ فضیلت اسلام کو ہی حاصل ہے کہ وہ عورت کو ایک اعلیٰ درجہ کی رفیقہ حیات بناتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لیس من متاع الدنیا شیء افضل من المرأة الصالحة (ابن ماجہ کتاب النکاح)

نیک عورت سے بہتر دنیا کی کوئی چیز نہیں۔ جنت کی نعمتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے عُرُباً اَتراباً (نبا) یعنی نوجوان، ہم عمر عورتوں کا ذکر فرمایا۔ حور مقصورات فی الخیام (رحمٰن) پھر فرمایا۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ (الرحمٰن)

یعنی۔ خوبصورت موٹی آنکھوں والی عورتیں جو خیموں میں محفوظ

کی ہوتی ہوں گی۔

پس جو قیود لگائی گئی ہیں۔ وہ سب عورت کی اس فضیلت کو قائم رکھنے کے لئے ہیں۔

عورت مرد کی کھیتی ہے۔ فرمایا۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ۔

ترجمہ:۔ تمہاری عورتیں کھیتی ہیں تمہاری پس اپنی کھیتی کے پاس جب، جہاں اور جس طرح چاہو آؤ۔

زمین اسی صورت میں فصل اگائے گی جب اس میں ہل چلایا جائے گا۔ ہموار کیا جائے گا۔ بیج ڈالا جائے گا۔ پانی دیا جائے گا۔ گھاس پھونس نکالا جائے گا اور اس کی حفاظت کی جائے گی۔ ایک درخت اسی صورت میں اعلیٰ اور افضل پھل دے سکتا ہے کہ اس کی ضروری نگہداشت کی جائے۔ اگر دیکھ بھال نہ کی جائے گی تو وہ پھل نہ دے گا۔ اور اپنی اس غرض کو پورا نہ کر سکے گا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

پس ان قیود اور احتیاطوں پر اعتراض کرنا جو فصل اور پھل کو پیدا کرنے کا موجب ہیں صریح حماقت ہے۔ عورت کا پھل کیا ہے؟ اس کے بچے اور اس کی اولاد۔ بھلا وہ ذات حقیر ہو سکتی ہے۔ جو خود انسان کے پیدا ہونے کا ذریعہ ہے؟

؎ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۳ حاشیہ پر۔

عورت کی سب سے بڑی اور اعلیٰ شان ماں ہونا ہے۔ کیا ماں بغیر گھر کے ہو سکتی ہے؟ کیا ماں بغیر بچوں کے ہو سکتی ہے؟ کیا بچے پیدا ہو سکتے ہیں؟ اور اُن کی تربیت اعلےٰ ہو سکتی ہے؟ جب تک عورت باقاعدہ شادی نہ کرے اور مرد کی رفیقۂ حیات نہ ہو۔ اگر وہ باہر پھرتی رہے اور آج ایک کے پاس اور کل دوسرے کے پاس تو کیا اولاد کی پرورش ہو سکتی ہے؟ کیا ان کی تربیت ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس اسلام چاہتا ہے کہ عورت ماں بنے اور رہبانیت اختیار نہ کرے۔ قدرت نے عورت کو اس کے لئے ہر قسم کے قوی اور فطرت عطا کی ہے۔ اگر وہ ماں نہ بنے گی تو کبھی خوش نہ ہو سکے گی۔ فیکٹریوں میں کام کر کے وہ ایک مشین کا پُرزہ تو شاید بنا لے مگر دُنیا کا وہ پُرزہ نہ بنا سکے گی جو ساری مخلوقات میں چوٹی کا پُرزہ ہے۔

حاشیہ متعلق ۲۰۲

The woman's cause is man's: they rise or sink together, dwarf'd or godlike, bond or free. If she be small, slight natured, miserable. How shall men grow? (Tennyson)

جس کے لئے سارا انتظام عالم قائم کیا گیا ہے۔ انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اس اشرف المخلوقات کی ماں عورت ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر عورت کی کوئی عزت یا درجہ ہو سکتا ہے۔ وہ اس گھر کی بلکہ ہے جس میں یہ قیمتی جوہر پیدا ہوتا اور نشو و نما پاتا ہے۔ دُنیا کے بہترین سیاست دان اور حکمران ماں کے پیٹ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے کنارِ عاطفت میں ہی وہ پلتے ہیں۔ دُنیا کا بڑے سے بڑا جرنیل اور کمانڈر عورت کا ہی ممنونِ احساں ہے۔ بڑے سے بڑا مذہبی پیشوا، موجد، ماہرِ فن اور عالم عورت کے نازک ہاتھوں میں ہی ایک نایاب جوہر بنا۔ عورت کی چھاتیوں سے ہی اُس نے دودھ پیا۔ اور عورت کی قربانی اور جاں نثاری سے ہی اُسے لڑھکنا اور میٹھی میٹھی باتیں کرنا آیا۔

اِسی کے ماتحت وہ رہا۔ اس لئے خود خالقِ دو جہان کا حکم ہے:۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل رکوع ۳)

ترجمہ:۔ تو نہ کہنا تو نے انہیں اُف بھی اور نہ ڈانٹنا تو نے انہیں بلکہ کہا کرنا انہیں بات اچھی موزون۔ اور جھکا تو ان کے لئے پہلو اطاعت اور عجز کا بوجہ رحم کے (ان پر)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ حرّم علیکم عقوق الأُمّھات

(بخاری کتاب الادب)

یعنی اللہ تعالےٰ نے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کر دی ہے۔

ایک شخص نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ یا رسول اللہ! حُسنِ سلوک کا مجھ پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا "اُمُّکَ" ۔ تیری ماں کا ۔ اس شخص نے پوچھا کہ اس کے بعد کس کا حق ہے؟ آپؐ نے پھر فرمایا "اُمُّکَ" تیری ماں کا۔ اُسنے پھر پوچھا۔ پھر آپؐ نے یہی جواب دیا۔ اُس نے پھر پوچھا تو فرمایا "اَبُوْکَ" اس کے بعد تیرے باپ کا۔ (بخاری کتاب الادب) پھر فرمایا

الجنّۃ تحت اقدام اُمّھاتکم (کنز العمال)

جنّت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

یہ کتنا لطیف فقرہ ہے۔ عام طور پر لوگ اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ ماں کی اطاعت اور فرمانبرداری میں جنّت ملتی ہے ۔ یہ بھی درست ہے ۔ لیکن اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ قوم میں جنّت لانے والی مائیں ہی ہوتی ہیں ۔ اگر مائیں بچّوں کی صحیح تربیت کریں گی تو وہ قوم کامیاب ہو جائے گی اور سارے مُلک کو جنّت بنا دے گی۔

کیا یورپ کے لوگ اس سے بڑھ کر عورت کو درجہ دے سکتے ہیں؟ کیا یورپ کی عورتیں اِس سے بڑھ کر کوئی درجہ اپنے لئے

تجویز کر سکتی ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

ولسیٹ پنجاب پرنٹنگ پریس لاہور سے سیّد محمد سعید سلیم نے چھپوا کر دار التجلید اردو بازار
لاہور سے شائع کی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱	تمہید	۱
۲	ولی کے بغیر نکاح نہیں ۔	۵
۳	نکاح میں عورت ولی نہیں بن سکتی ۔	۷
۴	مسلمان عورت غیر مسلم سے نکاح نہیں کرسکتی ۔	۷
۵	تعدد ازدواج	۹
۶	خلع قاضی کے ذریعہ ہو سکتا ہے ۔	۱۸
۷	مرد عورت سے افضل ہے ۔	۲۱
۸	بیوی اپنے شوہر کی اطاعت کرے ۔	۲۵
۹	عورت کا اصل دائرۂ عمل گھر ہے	۲۸
۱۰	ضرورت کے وقت عورت گھر سے باہر جا سکتی ہے ۔	۳۳
۱۱	نماز میں عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی ۔	۳۵
۱۲	حائضہ اور نفاسدہ ۔	۳۶
۱۳	عورت کی شہادت	۳۶
۱۴	عورت کا حصۂ میراث ۔	۴۰

نمبر شمار	مضامین	
۱۵	عورت غیر محرم سے مصافحہ نہیں کر سکتی۔	۱
۱۶	غیر محرم سے تخلیہ منع ہے۔	۷۲
۱۷	عورت بادشاہ نہیں بن سکتی	۳۳
۱۸	پردہ۔	۰
۱۹	اہل مغرب کا عورت کے ساتھ کیا سلوک رہا ہے۔	۹۹
۲۰	کیا صنفی تعلق قابل شرم ہے؟	۱۱۱
۲۱	تعدد ازدواج پر پلیسکی کا اعتراض۔	
۲۲	پردہ پر ڈاکٹر مرڈاک کا اعتراض۔	
۲۳	انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز کا اعتراض۔	
۲۴	بولس صاحب کا اعتراض۔	
۲۵	عفت	[illegible]
۲۶	صنفی مساوات کے حامی	۱۳۴
۲۷	مغرب میں عملاً مساوات قائم نہیں ہو سکتی۔	۱۴۱
۲۸	مغربی عورتوں کے لئے وہی کشمکش باقی ہے۔	۱۵۱
۲۹	کیا جسمانی مساوات موجود ہے؟	۱۵۲
۳۰	تحریک مساوات کی حماقت	۱۵۳
۳۱	مغربی اقوام کی گندی حالت	۱۶۵
۳۲	مغربی مبصرین کی اپنی تشخیص۔	۱۸۲
۳۳	مسلمان عورت کی بلند شان	۱۸۵
		۱۹۲